نظام خلافت کیا ہے؟

- **نظامِ خلافت** اللہ تعالیٰ کی حاکمیت مطلقہ کے اعلان و اقرار اور قرآن و سنت کی غیر مشروط بالادستی کے عملی نفاذ کا نام ہے۔
- **نظامِ خلافت** اسلامی ریاست کے ہر شہری مسلم ہو یا غیر مسلم' کی جان و مال عزت و آبرو کی حفاظت کی ضمانت دیتا ہے۔
- **نظامِ خلافت** اسلامی ریاست کے ہر شہری کی بنیادی ضروریات یعنی غذا' لباس' رہائش' علاج و تعلیم وغیرہ کا ذمہ دار ہے۔
- **نظامِ خلافت** تمام کائنات اور انسانوں کے خالق و مالک کے ابدی پیغام کو تمام دنیا کے انسانوں تک پہنچانے کا اہتمام کرتا ہے۔
- **نظامِ خلافت** اسلامی ریاست کے تمام شہریوں کو فوری عدل و انصاف فراہم کرنے کا ضامن ہے۔
- **نظامِ خلافت** میں مردوں اور عورتوں کے الگ الگ دائرہ کار معین ہیں۔ یہ نظام عورت کو پورا اختیار دیتا ہے کہ اللہ اور رسولؐ کی قائم کردہ ستر و حجاب کی حدود کو پیش نظر رکھتے ہوئے بوقت ضرورت کاروبارِ حیات میں شرکت کر سکے۔
- **نظامِ خلافت** عورتوں کی عزت و ناموس کا محافظ اور حقوق نسواں کا پاسبان ہے۔
- **نظامِ خلافت** نہ صرف یہ کہ تمام انسانوں کی تعلیم و تربیت کا خصوصی اہتمام اس نقطۂ نگاہ سے کرتا ہے کہ وہ اپنے مقصد حیات سے آگاہ ہوں' بلکہ اس کے مطابق ان کی رہنمائی اور مدد بھی کرتا ہے۔
- **نظامِ خلافت** مسلمانوں کے دلوں میں جذبۂ جہاد کی روح بیدار کرنے کا ضامن بھی ہے تاکہ حزب الشیطان کے حملوں کا مؤثر جواب دیا جا سکے۔

خلاصہ کلام:

نظامِ خلافت کا قیام وقت کی اہم ترین ضرورت ہے!

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد : ۵۰
شمارہ : ۴
محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
اپریل ۲۰۰۱ء
فی شمارہ -/۱۰
سالانہ زرتعاون -/۱۰۰

ادارۂ تحریر

حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

☆ امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ 22 ڈالر (800 روپے)

☆ سعودی عرب' کویت' بحرین' قطر' عرب امارات 17 ڈالر (600 روپے)
بھارت' بنگلہ دیش' افریقہ' ایشیا' یورپ' جاپان

☆ ایران' ترکی' اومان' مسقط' عراق' الجزائر' مصر 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700' فون: 03-02-5869501
فیکس: 5834000 ای میل: anjuman@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67-گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ' لاہور
فون: 6316638-6366638 فیکس: 6305110
ای میل: markaz@tanzeem.org

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرضِ احوال ______ ۳
حافظ عاکف سعید

☆ حالاتِ حاضرہ ______ ۵
ملکی و ملی حالات پر امیر تنظیم اسلامی کے تبصروں پر مشتمل پریس ریلیز
ادارہ

☆ تذکرہ و تبصرہ ______ ۹
عید الاضحیٰ اور ہمارے لئے لمحۂ فکریہ
ڈاکٹر اسرار احمد

☆ اسلامی معاشرت ______ ۲۳
اسلام میں عورت کا مقام (۱)
ڈاکٹر اسرار احمد

☆ منہاج المسلم (۱۳) ______ ۴۳
اللہ کے ولی اور کرامت
علامہ ابوبکر الجزائری

☆ فکر و نظر ______ ۵۱
خاندانی منصوبہ بندی اور ضبط ولادت
انجینئر شاہد حفیظ چوہدری

☆ خطوط و نکات ______ ۷۴
دو قومی نظریہ اور علماءِ ہند کا موقف
سید شہاب الدین کا مکتوب اور امیر تنظیم اسلامی کا جواب

☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

ڈیڑھ صد سالہ خدمات دیوبند کانفرنس

ایک اہم سنگ میل

ماہ رواں کا ایک نہایت اہم واقعہ پشاور میں منعقد ہونے والی ڈیڑھ صد سالہ خدمات دیوبند کانفرنس کا انعقاد ہے، جس میں شرکت کے لئے دعوت نامہ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے نام بھی موصول ہوا ہے۔ قارئین اس امر سے آگاہ ہیں کہ امیر تنظیم اسلامی کے نزدیک دیوبند محض ایک درسگاہ کا نہیں ایک عظیم تحریک کا نام ہے۔ اس تحریک کے ساتھ امیر تنظیم کی قلبی و ذہنی وابستگی کا اظہار ان کی تالیف ''جماعت شیخ الہندؒ اور تنظیم اسلامی'' کے ذریعے بخوبی ہوتا ہے۔۔۔ تازہ ندائے خلافت میں دیوبند کانفرنس کے حوالے سے راقم نے جو اداریہ تحریر کیا تھا، ذیل میں قارئین ''میثاق'' کی نذر کیا جا رہا ہے:

''جمعیت علمائے اسلام (ف) کے زیر اہتمام ڈیڑھ صد سالہ خدمات دیوبند کانفرنس ۹ تا ۱۱/اپریل پشاور میں منعقد ہو رہی ہے۔ دنیا بھر سے مسلمان علماء، سکالرز اور مدارس دینیہ کے طلبہ اس کانفرنس میں شرکت کے لئے پشاور پہنچیں گے۔ توقع ہے کہ یہ ایک بہت بڑا اجتماع ہوگا اور پاکستان میں نفاذ اسلام اور اس میں علماء کرام کے موثر کردار کے حوالے سے یہ اجتماع نہایت مثبت اور دوررس نتائج کا حامل ہوگا۔

امیر تنظیم اسلامی اور داعی 'تحریک خلافت پاکستان' محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا یہ موقف آج کا نہیں، ربع صدی پرانا ہے اور اسے انہوں نے زبان و بیان اور قلم و قرطاس کے تمام ذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے بھرپور انداز میں خواص و عوام تک پہنچایا ہے کہ مسلمانان برعظیم پاک و ہند کی گذشتہ چار سو سالہ تاریخ اس اعتبار سے نہایت تابناک اور قابل رشک ہے کہ اس عرصے کے دوران امت میں تجدیدی مساعی کا مرکز و محور یہی خطہ زمین رہا۔ گیارہویں صدی ہجری میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ذریعے جس عظیم الشان تجدیدی سلسلے کا آغاز ہوا اس کا تسلسل بعد میں بھی جاری رہا۔۔۔ بارہویں صدی ہجری کے مجدد، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ ہوں یا تیرہویں صدی کے مجدد، عظیم مجاہد حریت سید احمد شہید بریلویؒ سب کا تعلق اسی

سرزمین سے ہے جس کے بارے میں علامہ اقبال نے بجا طور پر کہا ہے کہ ''میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے- میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے۔'' چودھویں صدی کے مجدد کے بارے میں آراء کا اختلاف ہے لیکن امیر تنظیم اسلامی کے نزدیک اس صدی کے مجدد اعظم شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ ہیں--- ہمارے نزدیک دارالعلوم دیوبند کی اصل اہمیت یہ ہے کہ یہ مسلمانان ہند کی چارصد سالہ تجدیدی مساعی اور درخشاں روایات کا امین اور وارث ہے۔ دیوبند نامی قصبے میں قریباً ڈیڑھ سو سال قبل ایک درخت کے سائے تلے ایک استاد اور ایک شاگرد سے شروع ہونے والی اس درسگاہ نے بہت جلد ایک عظیم تحریک کی صورت اختیار کر لی جہاں علم دین کے فروغ کے ساتھ ساتھ شاہ ولی اللہؒ کے انقلابی افکار کا عملی اظہار انگریز کے خلاف جہاد حریت کی صورت میں جلوہ گر ہوا اور اس طرح دیوبند کو سرزمین ہند کے دینی مدارس میں ایک منفرد اور ممتاز مقام حاصل ہو گیا۔

اس بحث سے قطع نظر کہ وابستگان دیوبند نے قیام پاکستان کے بعد یہاں انتخابی سیاست کے اکھاڑے میں کود کر پاکستان میں گذشتہ نصف صدی سے رائج انگریز کے چھوڑے ہوئے فرسودہ استحصالی باطل نظام کی بیخ کنی اور غلبہ و اقامت دین کے حوالے سے کیا پایا اور کیا کھویا، یہ بات نہایت خوش آئند ہے کہ افغانستان میں امارت اسلامی کے قیام کا سہرا جن ''طالبان'' کے سر ہے، وہ سب پاکستان کے انہی دینی مدارس کے فیض یافتہ ہیں جن کا سلسلہ دیوبند سے جڑتا ہے۔ گویا حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نفس گرم کی تپش، شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے انقلابی افکار کی حدت، سید احمد شہیدؒ کے جذبہ جہاد کی سوزش اور شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی مجاہدانہ اور مجددانہ مساعی کے اثرات افغانستان میں اس شان کے ساتھ ظاہر ہوئے کہ وہاں اللہ کا کلمہ فی الواقع سربلند ہوا اور اللہ کا دین حقیقی معنوں میں دیگر تمام نظام ہائے باطل پر غالب وحاوی ہو گیا---- اور یوں اس خطہ زمین میں جو کبھی خراسان قدیم کا حصہ تھا، نظام خلافت کی داغ بیل پڑ گئی۔

ہمارے نزدیک حالیہ دیوبند کانفرنس کا طالبان کے افغانستان سے ملحق و متصل پاکستان کے ایک تاریخی شہر پشاور میں انعقاد نہایت معنی خیز اور خوش آئند ہے۔ اللہ کرے کہ یہ عظیم اجتماع' پاکستان میں غلبہ دین اور نفاذ شریعت کا پیش خیمہ ثابت ہو' تاکہ افغانستان اور پاکستان مل کر نظام خلافت کے عالمی سطح پر احیاء و قیام کے ضمن میں اپنا وہ فیصلہ کن کردار ادا کر سکیں جس کی جانب واضح اشارات متعدد صحیح احادیث میں ملتے ہیں۔ **اللھم وفقنا لھذا**''

حالات حاضرہ

ملکی، ملی اور بین الاقوامی حالات پر امیر تنظیم اسلامی کا تبصرہ

خطابات جمعہ (مسجد دار السلام لاہور) کے پریس ریلیز کے آئینے میں

☆

''غلبہ اسلام کے لئے دوطرفہ جدوجہد ضروری ہے''

''اسلام کا سورج اب مغرب سے طلوع ہوگا''

۹ مارچ کا خطاب جمعہ

عالمی ملت اسلامیہ بالعموم اور وطن عزیز بالخصوص اللہ تعالیٰ کے عذاب کے شکنجہ میں ہے۔ چنانچہ پوری ملت اسلامیہ پر ذلت اور مسکنت کے سائے مسلط نظر آتے ہیں اور پاکستان شدید ترین مالی ومعاشی بحران کے ساتھ ساتھ اب شدید خشک سالی اور پانی کی مہیب کمی کا شکار ہے۔ امت مسلمہ پر ذلت ومسکنت کے اس عذاب کی اصل وجہ تو یہ ہے کہ اس نے اللہ کی نمائندگی کا حق ادا نہیں کیا جبکہ اہل پاکستان کے عذاب الٰہی کی زد میں ہونے کا نمایاں ترین سبب ملک میں نفاذ اسلام کے حوالے سے اللہ کے ساتھ کی گئی وعدہ خلافی اور عہد شکنی ہے۔

امت مسلمہ کے عذاب الٰہی سے بچنے کا راستہ یہ ہے کہ مسلمانان عالم کم از کم کسی ایک قابل ذکر ملک میں اسلام کا عدل اجتماعی حقیقی معنوں میں قائم کر کے اللہ کی نمائندہ امت ہونے کا عملی ثبوت دیں۔ جبکہ اہل پاکستان کے لئے بھی عذاب الٰہی سے بچنے کی یہی شکل ہے کہ تحریک پاکستان کے دوران اللہ سے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کرتے ہوئے ملک میں اسلام کا نظام عدل وقسط قائم کر کے اس کا عملی نمونہ دکھایا جائے۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو اندیشہ ہے کہ آنے والا دور بدتر ہوگا اور پاکستان کی سالمیت اور بقا شدید خطرات سے دوچار ہو جائے گی۔ جیسا کہ مغربی مفکرین پہلے ہی اس کے خاتمے کی پیشینگوئی کر رہے ہیں۔

اسلام کے غلبہ کے لئے دوطرفہ جدوجہد ضروری ہے۔ یعنی اس کام کے لئے جہاں

ایک طرف اسلام پر عملی طور پر کاربند افراد پر مشتمل ایک منظم انقلابی جماعت کے ذریعے ایک زبردست عوامی تحریک چلانا ضروری ہوگا جو باطل نظام اور اس کے محافظ مراعات یافتہ طبقات کو خس و خاشاک کی طرح بہالے جائے' وہاں دوسری طرف مغربی تہذیب اور اس کے ان ملحدانہ نظریات کے خلاف جو اس وقت پوری دنیا پر چھائے ہوئے ہیں نظریاتی سطح پر بھرپور جہاد بھی ناگزیر ہوگا تا کہ ان نظریات سے مرعوب ذہین افراد ان باطل نظریات کے طلسم سے نکل کر اور حقیقی و شعوری ایمان سے بہرہ ور ہو کر اسلام کے نظریات کے پرچارک بن سکیں۔ کیونکہ یہی طبقہ عوام الناس کے دل و دماغ کو کنٹرول کرتا ہے۔ اگر ان کی اصلاح ہوگئی تو عام لوگ خود بخود مغربی تہذیب کے سحر سے باہر نکل آئیں گے اور ایک ایسے اسلامی انقلاب کی راہ ہموار ہو سکے گی جو دوررس اور دیرپا اثرات کا حامل ہوگا۔

اللہ کی توفیق اور ہماری کوشش سے الحمد للہ امریکہ میں ایسے مسلمان نوجوانوں کا ایک حلقہ تیار ہو گیا ہے جو وہاں رہ کر مغرب کے ملحدانہ افکار پر فکر اقبال کے ابراہیمی تیشے سے ضرب لگا رہا ہے۔ اللہ نے چاہا تو یہ باطل تہذیب جلد اپنے خنجر سے خودکشی کرلے گی اور مغرب سے اسلام کا سورج نمودار ہوگا۔ پاکستان میں بھی ہم اسلامی نظام کے قیام کے لئے ایک انقلابی جماعت کی تشکیل کے ذریعے عوامی تحریک کی فضا ہموار کر رہے ہیں۔ اگرچہ اس کے نتائج تاحال کچھ زیادہ حوصلہ افزا نہیں تاہم ہمیں اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ جس طرح پاکستان کا قیام اللہ کی خصوصی مشیت کا مرہون منت ہے اسی مشیت ایزدی اور خصوصی تدبیر خداوندی کے تحت پاکستان بالآخر اسلام کا گہوارہ بنے گا۔ اور بعض احادیث میں موجود پیشینگوئیوں کے مصداق امید ہے کہ پاکستان اور افغانستان پر مشتمل یہ خطۂ زمین بہت جلد کل روئے ارضی پر نظام خلافت کے قیام میں اپنا کردار ضرور ادا کرے گا۔ جس کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ اللہ نے تمام عالم اسلام میں صرف پاکستان ہی کو ایٹمی صلاحیت سے نوازا ہے اور افغانستان میں شریعت اسلامی کے نفاذ کے مبارک کام کا آغاز ہوا ہے۔

''سی ٹی بی ٹی پر دستخط ملک وملت سے غداری کے مترادف ہے''

''کالا باغ ڈیم کا معاملہ بیرونی طاقتوں کے اشارے پر کھٹائی میں ڈالا جا رہا ہے''

۲۳ مارچ کا خطاب جمعہ

اے آر ڈی کا جلسہ روکنے کے لیے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرنے کے باعث موجودہ حکومت کو سیاسی و اخلاقی سطح پر واضح شکست سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ جلسہ رکوانے کے لیے جس بڑے پیمانے پر گرفتاریاں ہوئی ہیں اس سے نہ صرف حکومت کی بزدلی ظاہر ہوئی ہے بلکہ یہ بھی واضح ہو گیا ہے کہ حکومت کو خود پر اعتماد نہیں ہے۔ حکومت کی جلد بازی اور جلسہ کو رکوانے کی غلط حکمت عملی کے باعث اے آر ڈی کو بغیر جلسہ کیے بہت بڑی سیاسی فتح حاصل ہوگئی ہے۔ چنانچہ اے آر ڈی نے حکومت کے خلاف تحریک کا آغاز کر دیا ہے اور اگر اس تحریک نے زور پکڑا تو ہمیشہ کی طرح دینی جماعتیں بھی اس تحریک میں شامل ہو سکتی ہیں۔ لہٰذا ایک بار پھر دمادم مست قلندر ہوگا اور موجودہ حکومت کو بھی ایوب اور بھٹو کی طرح بھاگنا پڑے گا۔ تاہم اس اکھاڑ پچھاڑ سے نہ ماضی میں کوئی خیر برآمد ہوا تھا نہ اب ہوگا۔

ملک کی خیر خواہی کا درست راستہ یہ ہے کہ دینی جماعتیں باہم متحد ہو کر انتخابی سیاست سے علیحدہ رہتے ہوئے ملک میں موجود منکرات کے خلاف تحریک چلائیں تو ضرور خیر برآمد ہوگا۔ کسی سیکولر سیاسی اتحاد کا ضمیمہ بن کر تحریک چلانے کے نتیجے میں سارا فائدہ سیکولر جماعتوں کو ہوتا ہے۔ چنانچہ ماضی میں دینی جماعتوں کی قربانیوں کے نتیجے میں غلبۂ اسلام کے بجائے مفاد پرست سیکولر عناصر ہی کو غلبہ حاصل ہوتا رہا ہے۔

موجودہ حکومت نے اپنا اقتدار بچانے کے لیے آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک سے وفاداری نبھانے کی روش اختیار کر رکھی ہے جو کسی بھی صورت ملک و قوم کے حق میں نہیں۔ جبکہ وزیر خارجہ کے بعد اب چیف ایگزیکٹو کا یہ کہنا کہ سی ٹی بی ٹی پر دستخط سے کوئی فرق نہیں پڑے گا' ملک وملت سے غداری کے مترادف ہے۔ انہوں نے کہا کہ نیو ورلڈ آرڈر کے اینٹی اسلام ایجنڈے کی تکمیل کی خاطر بلدیاتی انتخابات میں خواتین کی ایک تہائی نمائندگی' سودی معیشت کے خاتمہ میں لیت ولعل سے کام لینا اور بجلی کی قیمت میں اضافے جیسے

دوسرے اقدامات ملک وملت کو تباہی کی طرف دھکیلنے کا باعث ہیں۔ ان حالات میں موجودہ حکومت کا اقتدار میں رہنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہا۔ لہٰذا حکومت کو چاہیے کہ فوراً الیکشن کرائے اور اقتدار سول نمائندوں کے حوالے کر کے چلتی بنے۔

اگر ملک میں موجودہ خشک سالی برقرار رہی اور کالا باغ ڈیم نہ بنا تو پنجاب صحرا بن جائے گا' جس کا اثر ملک کے تمام حصوں میں قحط کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ کالا باغ ڈیم کی تعمیر سے دستبرداری بھی موجودہ حکومت کی نا اہلی کا ثبوت ہے۔ کالا باغ ڈیم سندھ' سرحد یا بلوچستان کا مسئلہ نہیں بلکہ اس کی تعمیر کا معاملہ بیرونی طاقتوں کے اشارے پر کھٹائی میں ڈالا جا رہا ہے۔ دراصل اسلام دشمن عالمی استعماری قوتیں نہیں چاہتیں کہ پاکستان اپنے پیروں پر کھڑا ہو کیونکہ یہاں جتنا زیادہ بھوک اور افلاس ہوگا اتنا ہی ہم سے اپنی شرائط منوانا اور ہمیں اپنی غلامی کے شکنجے میں کسنا ان کے لیے آسان ہوگا۔ ایک باوقار قوم کی طرح جینے اور ان استعماری قوتوں کی غلامی سے نجات کی واحد راہ یہ ہے کہ ڈیفالٹ کر دیا جائے اور ڈیفالٹ ہونے کی صورت میں لگنے والی پابندیوں سے نہ گھبرایا جائے۔ اگرچہ ان پابندیوں کے نتیجے میں مشکلات آتی ہیں لیکن ایسا نہیں ہے کہ ان مشکلات سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ حال ہی میں امریکہ میں ایک ترک مسلم خاتون نے اس موضوع پر تھیس لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے کہ پابندیاں لگنے کی صورت میں کسی ملک کو ان کا مقابلہ کرنے کے لیے کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے۔

ڈاکٹر اسرار احمد
کی تالیف
"استحکام پاکستان"
اس کتاب کا مطالعہ خود بھی کیجئے اور اسے زیادہ سے زیادہ عام کیجئے
شائع کردہ : مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

تذکرہ و تبصرہ

عیدالاضحیٰ اور ہمارے لئے لمحۂ فکریہ

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا خطابِ عیدالاضحیٰ

خطبہ مسنونہ کے بعد تلاوت آیات:

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ــــ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ O فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ O اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ O﴾

ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا:

معزز حاضرین! جیسے روزہ کی عبادت کے بعد عیدالفطر کا اسلامی تہوار رکھا گیا ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے حج کے ساتھ عیدالاضحیٰ کو منتھی کیا ہے۔ حج بھی روزہ کی طرح اسلام کا رکن ہے اور عیدالاضحیٰ اسی فریضہ حج کی توسیع ہے‘ یعنی حج کے ایک عمل قربانی کو توسیع دے کر پوری دنیا میں پھیلا دیا گیا ہے۔ نحر (قربانی دینا) بھی گویا کہ مناسک حج میں شامل ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں سورۃ الحج کے چوتھے اور پانچویں رکوع میں بڑی تفصیل کے ساتھ اس قربانی کا ذکر آیا ہے جو حج کے مناسک میں سے اہم منسک ہے۔ لیکن عیدالاضحیٰ کی صورت میں اس کی توسیع ہوئی ہے کہ پوری دنیا میں مسلمان جہاں بھی ہیں‘ وہ حج کے اس رکن میں شریک ہو جائیں۔ ظاہر بات ہے وہ سب کعبہ کا طواف تو نہیں کر سکتے‘ اسی طرح وہ سعی بین الصفاء والمروۃ بھی نہیں کر سکتے‘ عرفات اور منیٰ میں ان کا قیام ممکن نہیں ہے‘ مزدلفہ میں اللہ کی یاد کرنا ان کے لئے ممکن نہیں ہے‘ لیکن بہر حال یہ ممکن ہے کہ حج کے اس رکن (قربانی) میں تمام مسلمان دنیا میں خواہ کہیں بھی ہوں‘ وہ شریک ہو جائیں۔

عیدالاضحیٰ کی قربانی سے متعلق رسول اللہ ﷺ سے جب پوچھا گیا:

مَا هٰذِهِ الْاَضَاحِی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟

''اے اللہ کے رسول! ان قربانیوں کی کیا حقیقت ہے؟''
تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((سُنَّةُ اَبِيكُمُ اِبْرَاهِيمَ))

''یہ تمہارے جدِّ امجد ابراہیم کی سُنّت ہے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے قربانی کا حکم دیا تھا اور اللہ کے حکم کے تحت انہوں نے اپنے نوعمر اکلوتے فرزند اسماعیل (علیہ السلام) کی گردن پر چھری چلا دی۔ اُس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو برس تھی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ برس تھی جب اللہ کا حکم آیا کہ اپنے اس اکلوتے بیٹے کو جو دعائیں مانگ مانگ کر اللہ سے لیا تھا' ذبح کر دیجئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیمؑ کا آخری امتحان تھا' جبکہ آپ باقی تمام امتحانوں میں کامیاب ہو چکے تھے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهِيمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ﴾ (البقرة:١٢٤)

''یاد کرو کہ جب ابراہیمؑ کو اس کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب میں پورا اتر گیا۔''

آگ میں ان کو ڈالا گیا' وہاں ان کی ہمت نے جواب نہیں دیا۔ ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی!

بادشاہ کے دربار میں حاضری ہوئی تو وہاں آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی اور اس کو لاجواب کر دیا۔ بُت خانے میں داخل ہو کر سارے بُتوں کو توڑ دیا۔ اس پر ایک ہجوم **(mob)** آیا ہے اور ہجوم کا سامنا کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے' لیکن آپؑ نے اس کا بھی بڑے اطمینان اور پامردی کے ساتھ مواجہہ کیا۔ باپ نے گھر سے نکال دیا۔ آپؑ یہ کہتے ہوئے نکل گئے ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝﴾ (مریم:۴۷) ''سلام ہے آپ کو' میں اپنے رب سے دعا کروں گا کہ آپ کو معاف کر دے۔ یقیناً میرا رب مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔'' پھر وطن چھوڑنا پڑا تو وہ بھی چھوڑ دیا۔ اس کے بعد ساری عمر

مہاجرت میں گزری۔ تو آپؑ نے سارے امتحان پاس کر لئے تھے' اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ امتحان تھا کہ دیکھیں سو برس کے بوڑھے کے دل میں اپنے اکلوتے بیٹے کی محبت کہیں ہماری محبت سے بڑھ تو نہیں گئی! یہ آخری امتحان تھا اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پوری طرح کامیاب ہوئے۔ انہوں نے تو اللہ کے حکم پر سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے بیٹے کی گردن پر چھری چلا دی تھی' یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس چھری کو غیر مؤثر کر دیا۔ لیکن اس کی یاد کے طور پر اب ملّتِ ابراہیمؑ اور اُمّتِ محمد ﷺ کے افراد پوری دنیا میں بہت بڑی تعداد میں قربانیاں دیتے ہیں۔

اس قربانی (نحر) کا ایک نقشہ قرآن مجید میں سورۃ الکوثر میں کھینچا گیا ہے۔ یہ قرآن مجید کی مختصر ترین سورتوں میں سے ہے۔ اس کی تین آیتیں ہیں۔ سورۃ العصر کی بھی تین آیتیں ہیں' لیکن وہ قرآن حکیم کی جامع ترین سورۃ ہے۔ سورۃ النصر کی بھی صرف تین آیتیں ہیں۔ تین تین آیتوں پر مشتمل تین سورتوں میں سے ایک سورۃ الکوثر ہے۔ اس کی پہلی آیت کے الفاظ ہیں:

﴿اِنَّا اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ○﴾

''(اے محمدؐ) ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا کیا ہے۔''

بہت بڑا خیر عطا کیا ہے' بہت عظیم خیر عطا کیا ہے۔ ''کوثر'' کا ظہور ایک تو قیامت کے روز میدانِ حشر میں ہوگا جبکہ شدید پیاس کی کیفیت ہوگی' جسے ہمارے ہاں محاورتاً کہا جاتا ہے کہ سورج سوا نیزے پر ہوگا' یعنی سورج کا فاصلہ زمین سے بہت کم ہو جائے گا۔ قرآن مجید میں سورۃ القیامہ میں الفاظ آتے ہیں: ﴿وَجُمِعَ الشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ ﴾ ''جب چاند اور سورج جمع کر دیئے جائیں گے۔'' چاند تو ہم سے بہت قریب ہے' اگر سورج بھی اتنا ہی قریب آ جائے تو پھر اس کی جو تمازت اور حرارت ہوگی اور جو قیامت کی گرمی ہوگی اس کا آپ تصور کیجئے۔ پھر کوئی سایہ نہیں ہوگا سوائے اللہ تعالیٰ کے عرش کے سائے کے اور وہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کے لئے مخصوص کیا ہوا ہوگا۔ اُس وقت جب لوگوں کی زبانیں پیاس سے باہر نکلی ہوئی ہوں گی تو حوضِ کوثر کے ساقی محمدؐ رسول اللہ ﷺ ہوں گے۔ وہ چشمہ عین میدان حشر

میں ہوگا اور وہاں محمد رسول اللہ ﷺ اپنے نقشِ قدم پر چلنے والے امتیوں کو سیراب کریں گے' انہیں پانی پلائیں گے۔ یہ تو حوض کوثر کا ظہور روزِ قیامت میدانِ حشر میں ہے۔

اس دنیا میں ''کوثر'' کا ظہور کیا ہے؟ اس کے بارے میں مفسرین نے جو باتیں کہی ہیں ان کا خلاصہ آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں کہ ''کوثر'' سے مراد ''خیرِ کثیر'' ہے۔ اور جو خیرِ کثیر حضور ﷺ کو دیے گئے ہیں' واقعہ یہ ہے کہ ہم ان کا احصاء نہیں کر سکتے' ان کی گنتی نہیں کر سکتے۔ لیکن آپؐ کو دو سب سے بڑے خیر دیئے گئے ہیں جن میں سے ایک قرآن حکیم ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت اور اس کا بہت بڑا احسان ہے' یہ الھدیٰ یعنی ہدایت کاملہ ہے جس کے بارے میں سورۂ یونس میں فرمایا کہ اے نبیؐ! ان سے کہہ دیجئے کہ یہ قرآن جو نازل ہوا ہے یہ چار کیفیات لے کر آیا ہے:

﴿يٰـاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ○ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ○﴾ (یونس : ۵۷'۵۸)

''لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے' جو دلوں کے امراض کے لئے شفاء ہے اور اہل ایمان کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ (اے نبیؐ!) کہئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے (کہ یہ چیز اس نے بھیجی) اس پر تو لوگوں کو خوشیاں منانی چاہئیں۔ یہ ان سب چیزوں سے بہتر ہے جنہیں لوگ سمیٹ رہے ہیں۔''

تمہارے پاس قرآن حکیم کی شکل میں وہ شے آ گئی ہے جو اولاً نہایت دل نشیں' دل میں اتر جانے والی نصیحت ہے۔ یہ قرآن اگر سمجھ میں آ جائے تو دل میں کھب جاتا ہے اور دل کے اندر رقت طاری کر دیتا ہے ___ ثانیاً یہ کہ جو سینوں کے اندر بیماریاں ہیں' مثلاً نفس پرستی' دولت پرستی خود پرستی' تکبر' حسد' بغض وغیرہ' ان ساری بیماریوں کا علاج اور ان کی شفاء یہ ہے ___ ثالثاً یہ ہدایت اور رہنمائی ہے' زندگی گزارنے کا صحیح طریقہ بتاتی ہے ___ اور رابعاً ''وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ'' یہ رحمت ہے اہلِ ایمان کے حق میں۔ اس کا رحمت ہونا قیامت

کے دن ظاہر ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا: ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ﴾ اے نبی! کہہ دیجئے یہ قرآن جو عطا ہوا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے فضل وکرم اور اس کی رحمت کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ یہ سب سے بڑا خیر ہے۔ ﴿فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا﴾ پس چاہئے کہ وہ اس پر خوشیاں منائیں۔ اگر جشن منانا ہے تو اس کا منائیں۔ لیکن ہم ''جشنِ بہاراں'' منا رہے ہیں' ہم نے اپنی ثقافت کو ہندو ثقافت کے ساتھ جا کر ملا دیا ہے۔ قرآن مجید نے تو ہمیں دو عیدیں دی تھیں' اس کے سوا کوئی تیسرا جشن ہے ہی نہیں' لیکن قرآن یہاں کہہ رہا ہے اگر خوشیاں منانی ہیں تو قرآن کی خوشی مناؤ کہ تمہیں اتنی بڑی نعمت اور اتنی بڑی دولت عطا ہوئی' اللہ کا اتنا بڑا احسان تم پر ہوا۔ ﴿هُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ﴾ یہ ان تمام چیزوں سے بڑھ کر قیمتی ہے جو لوگ جمع کرتے ہیں۔ لوگ مال و اسباب جمع کرتے ہیں' دولت جمع کرتے ہیں۔ لوگوں کے پاس جب طرح طرح کی دولت بہت زیادہ ہو جاتی ہے تو وہ بڑے قیمتی قسم کے نوادرات اور عجیب و غریب ڈیکوریشن پیس لے کر آتے ہیں اور اپنے ڈرائنگ رومز کو سجاتے ہیں کہ دیکھنے والا آتے ہی فوراً مبہوت ہو جائے کہ اس شخص نے اپنے ڈرائنگ روم میں کیا کیا جمع کر رکھا ہے! لیکن اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں ﴿هُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ﴾ ان تمام چیزں سے کہیں بڑھ کر قیمتی شے قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو خیرِ کثیر محمد ﷺ کو عطا کیا (ان پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں) وہ تو قرآن حکیم ہے۔

دوسرا سب سے بڑا خیرِ کثیر کیا ہے؟ پوری نوعِ انسانی کو خاص طور پر آج کے دَور میں جس خیرِ کثیر کی سب سے بڑھ کر ضرورت ہے وہ ''دینِ حق'' ہے جس کی تکمیل محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر ہوئی۔

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ...﴾ (التوبۃ:۳۳' الفتح:۲۸' الصف:۹)

''وہی (اللہ) ہے جس نے بھیجا اپنے رسول (محمد ﷺ) کو الہدیٰ اور دین حق دے کر تا کہ اسے پورے دین پر غالب کر دے . . . ''

قرآن حکیم میں یہ الفاظ تین دفعہ وارد ہوئے ہیں کہ جو سب سے بڑے دو خیر محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو دیئے گئے ان میں سے ایک الہدیٰ یعنی قرآن حکیم ہے' جو ہدایتِ کاملہ اور ہدایتِ تامّہ ہے — نوع انسانی کے لئے ہمیشہ ہمیش کے لئے ہدایت اور رہنمائی ہے۔ دوسرا ''دین الحق'' سچا دین یعنی اسلام ہے' جس کے بارے میں فرمایا:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ﴾ (المائدۃ:۳)

''آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کی تکمیل کر دی اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔''

یہ دین اصولی اعتبار سے تو ہمیشہ سے ایک چلا آ رہا ہے۔ حضرت نوحؑ' حضرت ابراہیمؑ' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کا دین بھی وہی تھا' لیکن اس دین کی تکمیل محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر ہوئی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ سب سے بڑا خیر کثیر ہے اور نوع انسانی کے لئے سب سے بڑی نعمت ہے۔ اس لئے کہ آج کے انسان کو ایک معتدل' متوازن' منصفانہ اور عدلِ اجتماعی کے حامل نظام کی ضرورت ہے اور اس نظام کی تلاش میں نوع انسانی ٹھوکریں کھا رہی ہے۔ پہلے بادشاہت ہوتی تھی' فیوڈل لارڈز ہوتے تھے' تیس ہزاری' پچاس ہزاری منصب دار ہوتے تھے۔ وہ دور جب انقلابِ فرانس کے بعد ختم ہوا تو جمہوریت آ گئی کہ تمام انسان برابر ہیں' ہر انسان کے ہاتھ میں ایک ووٹ ہے' اس ووٹ کے ذریعے سے لوگ اپنے حکمران منتخب کریں گے کہ کون حکومت کرے گا۔ یہ نہیں کہ کوئی کسی کا بیٹا ہے تو اس لئے حکومت اس کا حق ہے۔ بادشاہ کے بعد اس کا شہزادہ تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ نہیں' بلکہ ایسا سیاسی نظام جس میں سب کے سب انسان برابر ہیں' ہر شخص الیکشن لڑ سکتا ہے' کوئی بھی شخص میدان میں آئے' لوگوں کے ووٹ لے اور اس کے بعد وہ حکومت بنائے۔ دنیا کی عظیم ترین مملکت امریکہ کا معاملہ ہمارے سامنے ہے جو اس وقت زمین پر واحد سپریم پاور ہے' وہاں کس قدر آسانی سے الیکشن کے نتیجے میں حکومت تبدیل ہو جاتی ہے' کوئی ایجی ٹیشن نہ کوئی ہنگامہ' نہ کوئی توڑ پھوڑ ہے۔ کتنی بڑی حکومت اور کتنی عظیم سلطنت کا حکمران صدر امریکہ جو کہ ظاہری اعتبار

سے دنیا میں سب سے زیادہ مقتدر انسان ہے وہ کس طرح آسانی سے ہاتھ ملا کر ایک نئے آنے والے شخص کو جگہ دے کر خود وہاں سے رخصت ہو جاتا ہے۔

یقیناً یہ نوعِ انسانی کی ایک ترقی ہے' لیکن نوعِ انسانی کی یہ ترقی دنیا کے لئے ایک مصیبت کا سبب بن گئی ہے اور دنیا اس کے ذریعے سرمایہ داری نظام کی گرفت میں آ گئی ہے۔ پہلے تو بادشاہ اور فیوڈل لارڈز ہوتے تھے' اب کارخانے دار اور سرمایہ دار ہوتے ہیں۔ کہنے کو امریکہ میں ایک آدمی کا ایک ووٹ ہے' لیکن کیا عام آدمی وہاں الیکشن لڑ سکتا ہے؟ وہ بڑے سے بڑا سرمایہ دار' کم از کم کروڑوں ڈالر کا مالک ہوگا تو الیکشن لڑے گا۔ وہی ہے جو اپنے لئے ٹی وی پر ٹائم خرید سکے گا' اخبارات کو خرید سکے گا اور اپنی پوری compaign چلا سکے گا۔ یہ درحقیقت billionaires کی ایک مصروفیت اور ان کا کھیل ہے' جو ایک میوزیکل چیئرز گیم ہے۔ لہٰذا یہ جمہوریت جو آئی تھی اس نے درحقیقت سرمایہ داروں کی آمریت کی شکل اختیار کر لی ہے۔

اسی سرمایہ دارانہ آمریت کے خلاف ردِعمل کے طور پر پچھلی صدی کے آغاز میں ۱۹۱۷ء میں روس میں انقلاب آیا تھا کہ سرمایہ داروں کی اجارہ داری ختم ہونی چاہئے' تمام انسان معاشی اعتبار سے بھی برابر کر دیئے جائیں' کسی کی کوئی ذاتی ملکیت نہیں' کوئی کارخانہ دار نہیں' کوئی زمیندار نہیں' زمینیں یا کارخانے سب قومی ملکیت ہیں' باقی یہ کہ سب لوگ کام کریں' جو کام کرے گا اس کو کھانے کو مل جائے گا۔ اس بات کی ضمانت دی جائے گی کہ ہر انسان کو اس کی بنیادی ضروریات مل جائیں' لیکن یہ نہیں کہ کوئی ارب پتی ہے اور کسی کے پاس دو وقت کی روٹی بھی نہیں ہے۔ یہ بنیادی طور پر ایک اچھی سوچ تھی لیکن چونکہ آسمانی ہدایت کے تابع نہیں تھی لہٰذا اس خوبی میں سے شر نے جنم لیا اور یک جماعتی آمریت کی صورت بن گئی۔ اس طرح وہاں کمیونسٹ پارٹی کی آمریت قائم ہوگئی اور لوگوں کے لئے نہ کوئی حقوق رہ گئے نہ اظہارِ رائے اور جماعت بنانے کی کوئی آزادی باقی رہ گئی۔ معلوم ہوا کہ وہ تو بدترین نظام قائم ہو گیا' یہی وجہ ہے کہ وہ بدترین نظام ختم ہوا' یو ایس ایس آر ختم ہو گیا' کمیونزم کی موت واقع ہو گئی اور آج پھر انسان ایک ایسی جگہ کھڑا ہے جہاں اسے اپنے لئے ایک نظامِ حیات کا انتخاب کرنا ہے۔

مغربی مفکرین میں فوکویاما امریکہ کا بہت بڑا مصنف' بہت بڑا مفکر اور دانشور ہے۔ اس نے کمیونزم کی ناکامی پر بغلیں بجائی ہیں اور ''End of the History'' نامی کتاب لکھی ہے جس میں اس نے لکھا ہے کہ کمیونزم کی موت سے ثابت ہو گیا ہے کہ اصل نظام وہی ہے جو ہمارا ہے' یعنی ہمارا مغربی سیکولر جمہوری نظام اور سرمایہ دارانہ معیشت ہی بہترین ہے' کمیونزم میں کوئی خیر ہوتا تو وہ پنپ جاتا' لیکن کمیونزم تو مر گیا اور اپنی جنم بھومی کے اندر ہی دفن ہو گیا' لہٰذا معلوم ہوا کہ سب خیر ہمارے پاس ہے۔ لیکن اس کے بعد ایک اور دانشور ھنٹنگٹن نے کہا کہ فوکویاما غلط کہہ رہا ہے' ابھی تو دنیا میں تہذیبوں کا ایک بہت بڑا تصادم ہونا ہے جس کے بعد معلوم ہو گا کہ کون سی تہذیب جیتتی ہے۔ یہ ہے وہ مقام جس پر نوع انسانی آج کھڑی ہے۔

اس مقام کے اعتبار سے نوٹ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور تدبیرِ خداوندی نے ایسے حالات پیدا کئے کہ آج سے پچاس برس قبل پاکستان قائم ہوا' اور یہ اس عزم اور ارادے سے قائم ہوا کہ وہ نظامِ عدل وقسط جو محمد عربی ﷺ نے نوع انسانی کو دیا تھا اور جسے آپؐ نے چودہ سو برس قبل نافذ کیا تھا' کو دنیا میں دوبارہ قائم کیا جائے۔ یہ وہ نظام ہے جو ہر اعتبار سے عادلانہ ہے۔ اس کے مقابلے میں نہ تو کمیونزم آ سکتا ہے کیونکہ یہ فطرت انسانی کے خلاف ہے' نہ مغربی سرمایہ داری اس کا مقابلہ کر سکتی ہے کیونکہ اس میں ظلم و جبر اور exploitation ہے' اور نہ ہی بادشاہت اس کے مقابلے میں آ سکتی ہے اس لئے کہ اس میں تو ایک شخص مختار مطلق بن کر بیٹھ جاتا ہے۔

اسلام کا عادلانہ نظام وہ ہے جو خلافت راشدہ کی شکل میں دنیا نے دیکھا۔ جو مدینے کی چھوٹی سی ریاست سے شروع ہوا تھا لیکن اس کے بعد آدھی دنیا میں پھیل گیا۔ یہ وہ نظام ہے کہ جس میں انسان کے لئے بھلائی ہے' خیر ہے۔ لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ اس ''خیر کثیر'' کے custodians مسلمان ہیں' جو قرآن کے ماننے والے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی کے دعوے دار ہیں' لیکن دنیا دیکھ رہی ہے کہ یہ تو خود بھکاری بنے ہوئے ہیں۔ ان میں سے کوئی روس سے نظام مانگ رہا ہے تو کوئی واشنگٹن سے۔ کوئی کسی کی نقالی کر رہا ہے اور کوئی کسی کے پیچھے چل رہا ہے۔ حالانکہ کوئی ایک ملک تو ایسا ہونا چاہئے جسے مسلمان ماڈل کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔

اسی مقصد کے پیشِ نظر اسلامیانِ ہند نے جدّ و جُہد کی۔ ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الاّ اللہ!'' کا نعرہ لگایا۔ یہ نعرہ ایسا گونجا کہ ۱۹۴۶ء میں کیسی کیسی عظیم قوتیں شکست کھا گئیں۔ مثلاً کانگریس جیسی جماعت جو بلاشبہ بہت عظیم جماعت تھی۔ گاندھی جیسی مہاتما اس کا لیڈر تھا جسے پوری دنیا مانتی ہے کہ ہندو قوم کا بہت بڑا لیڈر تھا۔ پھر جمعیت علماء ہند اور مولانا حسین احمد مدنی جیسی عظیم شخصیت کانگریس کی ہمنوا تھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد جیسا نابغہ انسان کانگریس میں شامل تھا۔ پھر اس پنجاب کے علاقے میں اس وقت ایک ہی عوامی تحریک تھی اور وہ مجلس احرار اسلام کی تھی' اس کے بڑے بڑے خطباء' مقررین اور واعظ تھے اور وہ بھی سب پاکستان کے خلاف تھے۔ انگریز قیامِ پاکستان کا مخالف تھا' برطانیہ کا اُس وقت کا وزیر اعظم اٹیلی پاکستان کے خلاف تھا' یہاں کا وائسرائے ماؤنٹ بیٹن پاکستان کے خلاف تھا۔ قائد اعظم سے اٹیلی کو بھی نفرت تھی اور ماؤنٹ بیٹن کو بھی۔ ماؤنٹ بیٹن گاندھی کا چیلہ بنا ہوا تھا اور نہرو کے ساتھ تو اس کی فیملی کے تعلقات بھی ایسے تھے جو مشکوک بھی تھے۔ ان سارے معاملات کے علی الرغم پاکستان بنا۔ گاندھی نے چند مہینے پہلا کہا تھا کہ پاکستان صرف میری لاش پر بن سکتا ہے' لیکن پاکستان بن کر رہا۔ یہ کیوں بنا؟ اس لئے کہ ہم نے نعرہ لگایا تھا کہ اے اللہ! ہم اس خطۂ زمین میں تیرے دیئے ہوئے نظام کو قائم کریں گے۔ یہاں محمدِ عربی ﷺ کا نظام قائم کر کے اسے پوری نوعِ انسانی کے لئے روشنی کا مینار بنا دیں گے کہ آؤ دنیا والو دیکھو! یہ ہے محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا دیا ہوا نظام' اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ نظام۔ اس نظام کی عملی شکل ہم تمہیں دکھاتے ہیں۔ ورنہ دنیا تو یہ کہتی ہے کہ کہاں ہے وہ نظام؟ ہمیں دکھاؤ تو سہی!

اس ملک میں جب سود کے خلاف بات ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ بتاؤ کس مسلمان ملک میں سود نہیں ہے؟ تمام مسلمان ممالک میں سود موجود ہے۔ پھر یہ کہ اکثر مسلمان ممالک میں مسندِ اقتدار پر یا ڈکٹیٹر بیٹھے ہوئے ہیں یا بادشاہ۔ گویا کہ ہم تو عام دنیا والوں سے بھی پیچھے رہ گئے ہیں۔ اس حوالے سے پاکستان قائم کیا گیا تھا۔ لیکن اسے ہماری بدقسمتی کہہ لیجئے کہ ہماری غلطیوں کے باعث آج تک قیامِ پاکستان کے مقصد کی طرف کوئی مثبت پیش رفت نہیں ہو سکی ـــ اور ؎

''کچھ تو ہوتے بھی ہیں الفت میں جنوں کے آثار
اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں!''

کے مصداق ہماری غلطیوں پر دشمنانِ اسلام اور دشمنانِ محمد ﷺ نے پوری طرح سازش کا جال پھیلایا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ نصف صدی سے زائد بیت گئی۔ قمری حساب سے ۵۵ برس اور شمسی حساب سے ساڑھے ترپن برس ہو چکے ہیں' لیکن یہاں اسلام قائم نہیں ہوا۔

۱۹۹۷ء میں نواز شریف صاحب برسر اقتدار آئے تو ان سے ہمیں اس بناء پر کچھ امید پیدا ہوئی کہ اب مسلم لیگ کا احیاء ہوا ہے اور ۱۹۴۶ء کے بعد ۱۹۹۷ء میں پورے اکیاون برس بعد مسلم لیگ کو وہی مینڈیٹ مل گیا ہے تو اب شاید قیامِ پاکستان کے مقصد کی طرف کچھ پیش رفت ہو' لیکن افسوس صد افسوس کہ وہ شخص بھی بہت بدنصیب ثابت ہوا۔ تین مرتبہ مجھ سے پختہ وعدہ کر لینے کے باوجود اس نے کچھ نہیں کیا اور دستور کے اندر جو چور دروازے ہیں' جو اسلام کی تنفیذ میں اصل رکاوٹ بنے ہوئے ہیں ان کو ختم کرنے کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ وہ شخص دو مرتبہ میرے ہاں اپنے والد صاحب اور اپنے دونوں بھائیوں کے ہمراہ خود آیا ہے اور ایک مرتبہ میں وزیراعظم ہاؤس میں اپنا وفد لے کر گیا ہوں۔ ہر ملاقات میں اس نے پختہ وعدہ کیا لیکن اس کے وعدے جھوٹے نکلے۔ بہر حال اب اس کے ساتھ جو ہوا وہ اسی کی سزا ہے یا کچھ اور ہے۔ واللہ اعلم!

اس کے بعد ایک امید بندھی تھی کہ اب سپریم کورٹ کی طرف سے سود کے حرام ہونے اور بنک انٹرسٹ اور کمرشل انٹرسٹ کے ربا ہونے کا فتویٰ دے دیا گیا ہے تو ہمارا معاشی نظام غیر سودی بنیادوں پر استوار ہوگا۔ لیکن یہ امیدیں بھی اب دم توڑتی نظر آتی ہیں۔ ۱۹۹۱ء میں فیڈرل شریعت کورٹ نے سود کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا تھا تو اسی بدنصیب نواز شریف نے اس کے خلاف اپیل دائر کر دی تھی۔ دس سال اس اپیل میں گزر گئے۔ لیکن بالآخر شریعت اپیلیٹ بنچ اور سپریم کورٹ نے بھی فیصلہ دے دیا کہ فیڈرل شریعت کورٹ کا فیصلہ صحیح تھا اور واقعتاً بینک انٹرسٹ اور کمرشل انٹرسٹ بھی ربا ہے۔ جس طرح مہاجنی سود (Usury) ربا ہے ایسے ہی یہ کاروباری سود بھی ربا ہے اور حرام ہے۔ اس کے لئے سپریم کورٹ نے وقت دیا کہ اتنے عرصے کے اندر اندر یہ کام کر دیا جائے۔ حکومت نے ہمیں بڑی امیدیں دلائی تھیں' کمیشن بٹھائے تھے' لیکن جیسے جیسے وقت موعود قریب آ رہا ہے ہمیں ایک ایک کر کے خبریں دی جا رہی ہیں۔

پہلے خبر دی گئی کہ بیرونی سود تو جوں کا توں قائم رہے گا۔ اِنا للہ واِنّا الیہ راجعون۔ سود تو سود ہے' حرام تو حرام ہے' اندرونی اور بیرونی ہونے سے اس کی حلت وحرمت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ ہمارے لئے تو یہ سودی قرضوں کی زنجیریں اتار پھینکنے کا بہترین موقع تھا کہ ہم جرأت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دنیا کو صاف صاف کہہ دیتے کہ ہمیں اپنے دین کے حکم اور سپریم کورٹ کے فیصلے کی پابندی کرنا ہے' لہٰذا ہم قرضوں پر سود ادا نہیں کریں گے' صرف اصل زر واپس کریں گے۔ لیکن ہماری بے عزتی' بے حرمتی' بے حمیتی اور بے غیرتی کا یہ عالم ہے کہ ۱۵ کروڑ مسلمانوں کا حکمران' ہمارا چیف ایگزیکٹو یہ کہہ رہا ہے کہ ہمیں تو ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف کے لوگوں کے ''گوڈے گِٹے'' پکڑنے پڑتے ہیں۔ یعنی انتہائی درجے میں ان کی خوشامدیں کرنی پڑتی ہیں۔

اب اس سے اگلی بات سامنے آئی ہے اور وہ یہ نوید سنا دی گئی ہے کہ پرائز بانڈز تو جاری رہیں گے۔ اِنّا لِلّٰہ و اِنّا الیہ راجعون ۔ یہ تو دوہری لعنت ہے۔ پرائز بانڈ میں سود اور جوا دونوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ فرض کیجئے سو روپے کے ایک کروڑ پرائز بانڈ فروخت کئے گئے۔ ایک سال بعد سو روپے پر پندرہ روپے سود ملنا چاہئے تھا' لیکن انہوں نے ہر ایک کو سود ادا نہیں کیا' بلکہ ایک کروڑ کے پرائز بانڈ کا سود ۱۵ کروڑ روپے یکجا کر کے جوئے کے ذریعے اس کی قرعہ اندازی کی۔ اس طرح جیتنے والوں کو بھاری رقوم مل گئیں۔ چنانچہ یہ خبریں آتی رہتی ہیں کہ فلاں کا کروڑ روپیہ انعام نکل آیا اور فلاں کا پچاس لاکھ نکل آیا۔

میرے نزدیک یہ صورت حال اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا آفت آئے گی۔ میں پچھلے جمعہ میں تقریر کر چکا ہوں کہ آپ کے دریا سوکھ گئے ہیں۔ راوی کو جا کر دیکھ لیجئے گندا نالہ معلوم ہوتا ہے' دریا تو معلوم ہی نہیں ہوتا۔ اخبار میں آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ ''اباسین'' عظیم دریائے سندھ بالکل خشک پڑا ہے۔ یہ صورت حال کوٹلی بیراج کے اندر نظر آ رہی ہے کہ پانی نہیں ہے' اور پانی کی زیر زمین سطح بھی نیچے جا رہی ہے۔ قرآن مجید میں آیا ہے:

﴿قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآءُکُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْکُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ۝﴾

(المُلک: ۳۰)

''ان سے کہئے: کبھی تم نے یہ بھی سوچا ہے کہ اگر یہ پانی جو ہم نے تم کو عطا کیا ہے' یہ زمین میں گہرا اتر جائے تو کون ہے جو تمہیں پانی لا کر دے دے گا؟''

آج ہم پر وہ عذاب آیا چاہتا ہے۔ میں نے اپنے گزشتہ خطاب جمعہ میں کہا تھا کہ دو عظیم لوگوں نے دو پیشین گوئیاں کی تھیں۔ ہماری بدبختی ہے کہ ہم نے ایک عظیم انسان کی پیشین گوئی تو تیس برس پہلے پوری کر دی تھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے کہا تھا کہ یہ مشرقی اور مغربی پاکستان زیادہ سے زیادہ ۲۵ برس تک ساتھ رہ سکتے ہیں' اس کے بعد علیحدہ ہو جائیں گے۔ ہم نے ۲۵ برس بھی پورے نہیں ہونے دیئے' سوا چوبیس برس میں ہی علیحدہ ہو گئے۔ اور علیحدہ بھی کیسے ہوئے' بدترین شکست کا کلنک کا ٹیکہ ہمارے ماتھے پر لگا' ہمارے ۹۳ ہزار جنگی قیدی اس ہندو کی قید میں گئے جس پر ہم نے آٹھ سو برس اور ایک ہزار برس تک حکومت کی تھی۔ اندرا گاندھی کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ we have avenged our thousand years defeat. علیحدگی ہوئی تو وہ اس طور سے ہوئی۔

ایک دوسرا نابغہ انسان علامہ عنایت اللہ المشرقی تھا۔ اس نے یہ کہا تھا کہ اگر تم بھارت سے جنگ کرنے کے قابل نہ ہوئے تو جان لو کہ پچاس برس کے بعد پنجاب کے صحرا اسی طرح کے صحرا بن جائیں گے جس طرح پہلے کبھی ہوتے تھے۔ دریاؤں سے نہریں نکالنے سے پہلے یہاں کیا تھا؟ پنجاب کے اندر جو آبادی تھی یا تو وہ تلہیٹی کے میدان میں تھی یا دریاؤں کے ساتھ ساتھ دس میل اِدھر دس میل اُدھر تھی۔ باقی تو باریں بہت ہوتی تھیں' گنجی بار' نیلی بار' ساندل بار اور تھل۔ یہ جل تھل جو ہوا ہے یہ نہروں سے ہوا ہے۔ اگر نہری پانی نہیں ملے گا تو کیا ہوگا؟ یہ باریں دوبارہ revert کر جائیں گی اور یہ بدترین صحرا بن جائے گا۔ یہ پیشین گوئی علامہ مشرقی کی ہے اور ہم اسے اللہ کے عذاب کی شکل میں پورا کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ ہم نے تو اس کے بعد کوئی ڈیم بنایا ہی نہیں۔ دو ڈیم جو بنے تھے وہ silt up ہو رہے ہیں۔ پانی کی تو ویسے بھی کمی ہے لیکن ڈیم کے اندر صلاحیت بھی نہیں رہی۔ اگلا ڈیم ہم بنا نہیں سکے' اس پر ہمارا اختلاف ہو گیا۔ کیونکہ ہماری اب ایک قوم نہیں رہی' قومیتوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ یہ عذابِ الٰہی کی شکلیں ہیں۔ یہ دو خیر کثیر جو اللہ نے ہمیں عطا کئے تھے بدقسمتی سے ہم ان دونوں سے اپنے آپ کو محروم کئے دے رہے ہیں۔

سورۃ الکوثر کی دوسری آیت میں فرمایا گیا:

﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ o﴾

''پس اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے!''

اسی حکم پر عمل کرتے ہوئے ابھی ہم دو رکعت دوگانہ نماز پڑھیں گے اور اس کے بعد جا کر قربانی دیں گے۔ ''نَحر'' خاص طور پر اونٹ کی قربانی کو کہتے ہیں۔ عرب میں سب سے قیمتی شے اونٹ تھا' بھیڑ بکری ان کے ہاں بڑی معمولی سی شے تھی' اصل جو قیمتی شے تھی وہ اونٹ تھا۔ یہ تو صحرا کا جہاز تھا۔

تیسری آیت میں فرمایا:

﴿اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ o﴾

''یقیناً (اے محمدؐ!) آپ کا دشمن ہی بدنصیب ہوگا۔''

آپ کے دشمن ہی محروم ہوں گے۔ اور بالآخر تو یہ ہونا ہے۔ یہ مضمون میں نے بہت مرتبہ بیان کیا ہے کہ دنیا کے خاتمے سے قبل کل روئے ارضی پر محمد عربی ﷺ کا لایا ہوا نظامِ عدلِ اجتماعی خلافت علیٰ منہاج النّبوۃ کی صورت میں قائم ہوگا۔ اسی کے لیے ہم نے پاکستان بنایا تھا۔ اب ہمارے قریب افغانستان سے ٹھنڈی ہوائیں آ رہی ہیں۔ وہاں کے لوگوں نے اسلامی شریعت کا نفاذ کیا ہے اور فقہ حنفی نافذ کر دی ہے۔ بہر حال وہ بھی اسلام کا جزو ہے۔ اللہ کرے کہ اس سے آگے ان میں وسعتِ نظر اور وسعتِ قلب پیدا ہو جائے اور وہ جدید دَور کے تقاضے بھی سمجھ لیں۔ بہر حال وہ ہمارے بھائی ہیں' محسن اور ساتھی ہیں۔ ان سے تعاون کے لئے ہم نے آپ سے جو بھی اپیلیں کیں ان پر آپ کی طرف سے جو response ملا اس پر میں آپ سب کا بہت ہی مشکور و ممنون ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہمیں بڑی کثیر مقدار میں رقم ملی جو ہم نے ان کو پہنچا دی۔ افغانستان میں قربانی کا جو اہتمام ہم نے کیا تھا تو ہماری توقع سے کہیں بڑھ کر لوگوں نے اس میں حصہ لیا۔ اب وہ وفد وہاں جا چکا ہے جو ان لوگوں کی طرف سے جنہوں نے پیسے جمع کرائے تھے' وہاں قربانیاں دے گا۔ اب طالبان کو دنیائے کفر چاروں طرف سے گھیرے میں لے رہی ہے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ان کی مدد کریں اور زیادہ سے زیادہ

ان کا ساتھ دیں۔ اس حوالے سے ہماری حکومت تو بے بس ہے اور پھنسی ہوئی ہے' وہ تو آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کی غلام ہے۔ امریکہ کی کاسہ لیس ہے۔ لہٰذا اس سے تو کوئی توقع نہیں ہے اور اس سے کچھ ممکن بھی نہیں ہے۔ لیکن اس ملک کے وہ عوام جن کا دین سے تعلق ہے' جن کا محمدؐ رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کی ختم نبوت پر ایمان ہے اور آپؐ کی حرمت پر کٹ مرنے کو تیار ہیں' اور وہ آپ ﷺ کی کسی بھی قسم کی توہین برداشت نہیں کر سکتے۔ اس امت کے اندر یہ جو جوش اور جذبہ ہے یہ ہمیں توقع دلاتا ہے کہ یہاں ان شاء اللہ اسلام ضرور آئے گا۔ میں اسی پر اپنی گفتگو کا اختتام کرتا ہوں۔

اَقُوْلُ قَوْلِیْ ھٰذَا وَاَسْتَغْفِرُاللّٰہَ لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ oo

فہم قرآن میں اضافے کے لیے فنی کتاب "قواعدِ زبان قرآن" کا مطالعہ کیجیے۔

1	قواعدِ زبانِ قرآن ۔ دوسرا ایڈیشن	خلیل الرحمٰن چشتی	250 روپے
2	درسِ قرآن کی تیاری کیسے کی جائے؟	خلیل الرحمٰن چشتی	15 روپے
3	حدیث کی اہمیت وضرورت	خلیل الرحمٰن چشتی	35 روپے
4	نصاب برائے حفظ		30 روپے
5	تزکیۂ نفس		25 روپے
6	توحید اور شرک	محمد خان منہاس	15 روپے
7	رسالت	محمد خان منہاس	15 روپے
8	آخرت کا تصور	محمد خان منہاس	15 روپے
9	نماز	محمد خان منہاس	15 روپے
10	انفاق فی سبیل اللہ		15 روپے
11	مؤثر ابلاغ	محمد خان منہاس	10 روپے

گیارہ (11) کتابوں کے مکمل سیٹ کی قیمت مع ڈاک خرچ -/470 روپے ہے۔
کتابیں وی۔پی نہیں کی جائیں گی۔ منی آرڈر یا ڈرافٹ کا پہلے آنا لازمی ہے۔

الفوز اکیڈمی ، اسلام آباد	317, Street 16, F-10/2, Islamabad
Fax : 051- 22 54 139	Tel. : 051- 22 51 933

اسلام میں عورت کا مقام

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب

آج سے انیس برس قبل روزنامہ جنگ کے آل پاکستان جمعہ میگزین (۱۳ تا ۱۸/مارچ ۸۲ء) میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ کا ایک انٹرویو شائع ہوا تھا۔ یہ انٹرویو جناب ارشاد احمد حقانی نے لیا تھا جو درحقیقت نجی گفتگو اور انٹرویو کے بین بین کی چیز تھی۔ اس گفتگو کے دوران خواتین بالخصوص ملازمت پیشہ خواتین سے متعلق بھی چند ضمنی نوعیت کے سوالات ہوئے۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنا فکر اور نظریہ بیان کرتے ہوئے ان سوالات کے مختصر جوابات دیئے۔ لیکن جنگ میگزین میں جب یہ انٹرویو شائع ہوا تو ان ضمنی سوالات کے مختصر جوابات کو جلی سرخیوں سے شائع کیا گیا۔ انٹرویو کے اس حصے پر ملک بھر میں "روشن خیال" اور مغرب زدہ خواتین و حضرات کی طرف سے محترم ڈاکٹر صاجب کے خلاف مضامین' مراسلات' بیانات اور تقاریر کا ایک طوفانِ بدتمیزی اٹھ کھڑا ہوا۔ حتیٰ کہ کراچی ٹیلی ویژن اسٹیشن پر آزاد خیال خواتین نے 'جن میں ایک بڑی تعداد اعلیٰ مناصب پر فائز حضرات کی خواتین کی تھی' محترم ڈاکٹر صاحب کے ٹی وی پروگرام "الہدیٰ" کو بند کرنے کا مطالبہ کرنے کے لئے مظاہرہ کیا' جس کی خبریں اخبارات میں نمایاں کرکے شائع کی گئیں۔

اس پس منظر میں محترم ڈاکٹر صاحب نے ۲۳/مارچ کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے سالانہ اجلاس کے موقع پر اور ۲۶/مارچ کو مسجد دار السلام لاہور کے خطاب جمعہ میں "اسلام میں عورت کا مقام" کے موضوع پر تقریریں کیں۔ میثاق کے ادارۂ تحریر کے سینئر رکن جناب شیخ جمیل الرحمٰن مرحوم نے ان دو خطابات کو ٹیپ سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کرکے معمولی حک و اضافے کے ساتھ یکجا طور پر مرتب کیا جسے اولاً میثاق مئی ۸۲ء کے شمارے میں شائع کیا گیا اور بعد ازاں کتابی صورت میں افادۂ عام کے لئے شائع کیا گیا' جس کے اب تک متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اب اس کتاب پر معمولی نظر ثانی کے بعد اسے کمپیوٹر کمپوزنگ کے ساتھ ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى خُصُوْصًا عَلٰى اَفْضَلِهِمْ وَخَاتَمِ النَّبِيّٖنَ مُحَمَّدِ الْاَمِيْنِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ فَقَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى كَمَا وَرَدَ فِي سُوْرَةِ الْاَحْزَابِ:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ـــــ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا○ ﴾ (الاحزاب : ۵۹)

تمہید

حضرات! مطالعہ قرآن و سنّت کے نتیجے میں میری کچھ آراء اور نظریات اسلام کے سیاسی، معاشرتی اور معاشی نظاموں کے بارے میں مستقل طور پر قائم ہیں، جن کو تفہیم و تعلیم کے مقصد کے تحت کچھ عرصے سے ان اجتماعاتِ جمعہ میں کتاب و سنّت کے دلائل کے ساتھ پیش کرتا رہا ہوں ـــــ لیکن مَیں ان میں سے کسی مسئلہ کو بھی ایشو (issue) بنا کر کوئی تحریک چلانا صحیح نہیں سمجھتا۔ مثلاً اس وقت بحالیٔ جمہوریت کی تحریک چلائی جائے تو اس سے سیکولر ڈیموکریسی کے نام لیوا حضرات کو تقویت حاصل ہو گی۔ اسی طرح اجارہ داری اور غیر اسلامی اصولوں پر چلنے والی مزارعت یا مضاربت کے خلاف کوئی مہم چلائی جائے تو اس کا فائدہ سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں کو پہنچے گا۔ اس لئے میرے نزدیک ایسے اقدامات سے اسلام کو فائدہ کے بجائے نقصان پہنچنے کا زیادہ احتمال ہے۔

حقیقی اور واقعی اسلامی نظام کے نفاذ کے ضمن میں میرا نظریہ یہ ہے کہ یہ اُوپر سے نیچے تھوپنے والا معاملہ نہیں ہے، یعنی اگر صاحبِ اقتدار طبقہ چاہے کہ وہ اسلام کو نافذ کر دے تو ایسا اقدام مستحکم اور پائیدار نہیں ہو گا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ عملی سیاست سے صرفِ نظر کرتے ہوئے خالصتاً نصح و خیر خواہی کے جذبے اور رضائے الٰہی کے نصب العین کو اختیار کر کے ایک مؤثر تحریک بپا ہو اور وہ معاشرے میں عبادتِ ربّ کی دعوت پر اپنی تمام توانائیوں اور توجہات کو مرکوز رکھے، لوگوں میں بحیثیت مسلمان جینے اور

مرنے کا جذبۂ صادق پیدا کرے' ان کو حقیقی طور پر اللہ کا بندہ بننے کی نصیحت و وصیت کرے اور ان کے دلوں میں ایمان حقیقی کے بیج کی آبیاری کرے' ان کو اس مقصد کے لئے تیار کرے کہ وہ اپنے اپنے گھروں میں اور خود اپنے اُوپر اپنی انفرادی زندگی کے دائرہ عمل میں اسلام کو نافذ کریں تاکہ پھر ملک میں اجتماعی سطح پر صحیح اسلامی نظام نافذ ہو سکے۔ یہ تحریک جتنی جتنی مضبوط جڑیں پکڑتی رہے گی اُسی تناسب سے پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ اور اس کے استحکام کے امکانات روشن ہوتے چلے جائیں گے۔

اس موقع پر ایک اشکال کا ازالہ ضروری ہے' وہ یہ کہ جب میرا نظریہ یہ ہے کہ اسلام مضبوط بنیادوں پر اُوپر سے نہیں بلکہ نیچے سے صحیح کام کرنے کے نتیجے میں نافذ ہو سکے گا تو پھر مَیں صدر محمد ضیاء الحق صاحب سے یہ کیوں مطالبہ کرتا رہتا ہوں کہ وہ پورے کا پورا اسلام نافذ کریں ـــــ اُن سے مَیں یہ اس لئے کہتا ہوں کہ ان کا موقف یہ ہے کہ انہوں نے اقتدار سنبھالا ہی اس لئے ہے کہ وہ اس ملک میں اسلام کی جڑوں کو مضبوط کر کے اس کو فی الواقع نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص اس موقف اور مقصد کے ساتھ ملک کا اقتدار ہاتھ میں رکھنے کا مدعی ہو اور جس کے متعلق رائے بھی یہ ہو کہ وہ ایک مخلص اور پابند شریعت مسلمان ہے تو ایسے شخص سے یہ مطالبہ بالکل جائز اور حق بجانب ہے کہ وہ اپنے قول اور دعوے کا عملی ثبوت پیش کرے' اس کے بغیر اس کے برسراقتدار رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ پھر یہ کہ اسلام کل کا کل نافذ کیا جائے۔ اس کو جزوی طور پر نافذ کرنے اور تدریج کے فلسفے کو پیش نظر رکھنے کا نظریہ صحیح نہیں ہے' بلکہ ہو سکتا ہے کہ ایسے جزوی اقدامات اسلام کو بدنام کرنے کا ذریعہ بنیں ـــــ صدر محمد ضیاء الحق صاحب کا ایک یہ جملہ بھی حال ہی میں اخبارات میں نقل ہوا ہے کہ "مَیں نے سارے اسلام کو نافذ کرنے کا ٹھیکہ نہیں لیا ہے"۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اخبارات میں رپورٹنگ غلط ہوئی ہے یا واقعی صدر صاحب نے یہ بات کہی ہے! بہرحال قرآن حکیم کا حکم تو یہی ہے کہ :

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً ﴾ (البقرۃ : ۲۰۸)

"اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔"

اور کتاب و شریعت کے بعض حصوں پر ایمان لانے اور بعض حصوں کے انکار پر بڑی سخت وعید آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓی اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ ﴾ (البقرہ : ۸۵)

"تو کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصے کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا اس کے سوا کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں ــــ!"

یہ وعید یہود کے اُس طرزِ عمل پر وارد ہوئی ہے کہ انہوں نے شریعت کے احکام کی تقسیم کر رکھی تھی، کچھ کو مانتے تھے اور کچھ کا انکار کرتے تھے، یعنی ان کو عملی زندگی سے خارج کر رکھا تھا ــــ لیکن اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو کوئی بھی اللہ کی شریعت کے ساتھ یہ معاملہ کرے گا وہ بھی اسی وعید کا مستوجب ہوگا، چاہے وہ اُمتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہی سے تعلق رکھتا ہو۔

اکتوبر ۱۹۷۷ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والی قرآن کانفرنس کے لئے جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے ایک پیغام بھی ارسال کیا تھا۔ اس موقع پر مَیں نے ان کو اجلاس میں موجود متصور کر کے کہا تھا کہ "جنرل صاحب! آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایک بڑے امتحان میں ڈالا ہے۔ آپ کو چاہئے کہ اللہ کے نام اور اس کے بھروسے پر پورے کے پورے اسلام کو نافذ کریں۔ اس وقت نظامِ مصطفیٰ کی تحریک کی وجہ سے ماحول بھی سازگار ہے"۔ مَیں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ "جنرل صاحب! آپ پورے اسلام کا نفاذ کیجئے! اگر یہ معاشرہ اس وجہ سے آپ کو اٹھا کر پھینک دے تو کوئی بات نہیں۔ اس معاشرے نے تو بڑے بڑوں کو دوسرے اسباب سے اٹھا کر پھینک دیا ہے۔ اگر اسلام کے نفاذ کی وجہ سے کوئی شخص اقتدار اور منصب سے ہٹا دیا جائے تو اس سے بڑی سعادت اور کوئی نہیں"۔ اب بھی مَیں ان سے یہی کہتا ہوں اور کہتا رہوں گا، ماننا یا نہ ماننا ان کا کام ہے۔

حال ہی میں خواتین کے قضیے کے سلسلے میں ان کی یہ بات بھی اخبارات میں نقل ہوئی ہے کہ "اتھارٹی ڈاکٹر اسرار کے پاس نہیں، میرے پاس ہے"۔ حقیقی اتھارٹی تو اللہ کے

ہاتھ میں ہے' لیکن اس عالمِ تشریعی میں اس وقت اتھارٹی ان ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اب اگر وہ اس کو اسلام کے نفاذ کے لئے استعمال کریں اور معاشرہ اس کو قبول کر لے تو فَھُوَ الْمُرَادُ' لیکن اگر معاشرہ رد کر دے تو بھی ان شاء اللہ آخرت میں وہ سرخرو ہوں گے۔ لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس رہا' جیسا کہ اب تک چلا آرہا ہے' تو اس کی جواب دہی بھی ان کو خود ہی کرنی ہوگی' مَیں یا کوئی اور اس ضمن میں ان کے کام نہیں آسکے گا۔ ﴿ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لاَّ تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلاَ يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلاَ تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ ﴾ —— صدر صاحب کے اس جملے پر بعض اخبار والوں نے چاہا کہ مَیں کوئی تبصرہ کروں' اور اس طرح وہ مجھ سے کوئی تیز و تند جملہ کہلوا لیں۔ میں نے کہا کہ صدر صاحب نے حقیقت کا اظہار کیا ہے' اس پر مَیں کیا تبصرہ کروں؟ ایک رپورٹر نے کہا آپ تو مجلس شوریٰ کے رکن ہیں۔ مَیں نے جواب میں عرض کیا کہ اس مجلس شوریٰ کے پاس بھی کوئی اختیار نہیں ہے۔ جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں وہ مغالطے میں ہیں۔ یہ تو صرف مشورہ دینے کے ایک اجتماعی پلیٹ فارم ہے۔

معاشرتی بے راہ روی کا تجزیہ اور تشخیص

موجودہ مسلم معاشرے کے متعلق میرا تجزیہ اور میری تشخیص یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں جو اعتقادی اور عملی گمراہیاں اور بے راہ روی پوری طرح مسلّط ہے اس کا اصل سبب صدیوں کے بتدریج انحطاط و اضمحلال اور خاص طور پر انگریزوں کے دَورِ غلامی اور خدا ناآشنا مغربی افکار و نظریات اور تہذیب کے ذہنی استیلاء کی وجہ سے ہمارے ایمان میں ضعف کا پیدا ہو جانا اور دین کی حقیقی تعلیم و حکمت سے دُور ہو جانا ہے۔ یہی ضعفِ ایمان اور دین سے بُعد ہی ہماری تمام خرابیوں کی اصل جڑ ہے اور اسی جڑ سے خرابیوں کی بے شمار شاخیں پھوٹی ہوئی ہیں۔ ان شاخوں سے اُلجھنے اور ان سے کشتی لڑنے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ اصل میں ہدف اس جڑ کو بنانا ہو گا۔ چنانچہ مَیں انہی اجتماعاتِ جمعہ میں اپنا یہ موقف آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں کہ میری جو عملی جدوجہد ہے اور میری جتنی حقیر توانائیاں اور قوتیں' صلاحیتیں اور اوقات ہیں وہ دو کاموں میں صَرف ہو رہے ہیں۔

پہلا کام یہ ہے کہ قرآن حکیم کے پیغام کی زیادہ سے زیادہ وسیع پیمانے اور اعلیٰ علمی سطح پر نشر و اشاعت کرنے کی ہر امکانی کوشش کرنا۔ اسے آپ دعوت رجوع الی القرآن کہہ لیں یا تعلیم و تعلمِ قرآن کہہ لیں۔ بہرحال میری ان مساعی میں پیش نظر یہ ہے کہ قرآن مجید ہی دراصل ایمان کا حقیقی منبع اور سرچشمہ ہے۔ ایمان کے ضعف اور اضمحلال کا اگر ازالہ ہو سکتا ہے تو اسی قرآن کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ اس مقصد کے لئے مرکزی انجمن خدام القرآن قائم ہوئی ہے۔

پھر جب حقیقی ایمان پیدا ہو جائے اور اپنے حقیقی دینی فرائض کا احساس اُبھرے تو جدّوجُہد کی دوسری سطح یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو منظم کیا جائے' تاکہ جماعتی شکل اختیار کر کے یہ لوگ کوشش کریں کہ معاشرے میں دعوتِ عبادتِ رب وسیع پیمانے اور محکم بنیادوں پر برپا ہو۔ اس کے لئے تنظیم اسلامی کا قیام عمل میں آیا ہے' جو ابھی ایک بہت ہی مختصر سا قافلہ ہے' لیکن بہرحال میری توانائیاں اس میں بھی لگ رہی ہیں —— تو یہ دو اصل کام ہیں جن میں مَیں ہمہ تن و ہمہ وقت لگا ہوا ہوں۔ باقی میرے دوسرے سارے کام ضمنی ہیں۔ اگر مجلس شوریٰ میں میری شمولیت ہے تو یہ ایک ضمنی مصروفیت ہے' بنیادی نہیں ہے۔ اس کی گواہی ہر وہ شخص دے گا جو مجھ سے کسی درجے میں بھی واقف ہو۔ سولہ سال سے تو مَیں لاہور ہی میں ہوں' اور میرا حسن ظن ہے کہ یہاں ان سولہ سالوں میں قرآن حکیم کے پیغام کی نشر و اشاعت میں میری حقیر مساعی سے لاہور کا تعلیم یافتہ طبقہ بخوبی واقف ہو گا۔

میں نے گزشتہ خطابِ جمعہ میں عرض کیا تھا کہ میری ان دونوں سطحوں پر مساعی کا اصل ہدف ہے ایک "اسلامی انقلاب"۔ اصلاحی طرز یا سیاسی نوع کی سعی و کوشش کے ذریعے اقامتِ دین کے فرض کی ادائیگی میرے نزدیک اگر ناممکن نہیں تو بھی محال کے درجے میں ضرور ہے۔ اس کے لئے ایک انقلابی نوعیت کی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں مَیں نے چونکہ ایرانی انقلاب کا بھی نام لے دیا تھا لہٰذا اِس پر اخبارات میں آ گیا کہ "ڈاکٹر اسرار انتہا پسند ہے اور وہ یہاں ایرانی طرز کا انقلاب لانا چاہتا ہے" حالانکہ میں نے اس موقع پر بڑی صراحت سے عرض کیا تھا کہ میں اس انقلاب پر نفیاً یا اثباتاً کوئی تبصرہ کرنا نہیں چاہتا' بلکہ صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس انقلاب نے اس بات کی

ایک جھلک دکھادی ہے کہ "انقلاب" کسے کہتے ہیں۔ پوری دنیانے اس کو تسلیم کیاہے کہ انقلابی عمل اگر کوئی شے ہے تو ایران نے دکھادیا ہے کہ وہ شے کیاہے' قطع نظر اس سے کہ اس انقلابِ ایران کا کتنا حصّہ صحیح ہے کتنا غلط' ان کی حکمت عملی پوری کی پوری درست ہے یا اس میں تقصیر ہے۔ پھر یہ کہ وہاں کے حالات کی صحیح اطلاعات ہم تک نہیں پہنچ پا رہیں' بلکہ بڑی متضاد قسم کی خبریں آتی رہتی ہیں۔ لہٰذا ہم اس کی تائید میں یا اس کے خلاف کوئی بات کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ لیکن جس چیز کا نام "انقلاب" ہے اس کی جھلک وہاں موجود ہے۔ مَیں نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ بعینہٖ ایران کی طرز کا انقلاب برپا کرنا میرے پیش نظر ہے۔ مَیں یہ ضرور کہتا ہوں کہ جیسے انقلابِ فرانس اور انقلابِ روس نے دنیا کو چونکا دیا تھا اسی طرح انقلابِ ایران نے دنیا کو ایک بار پھر چونکا دیا ہے۔ اب ہم انقلابِ فرانس اور انقلابِ روس کو اپنے لئے نمونہ تو نہیں سمجھتے۔ ان میں سے کوئی انقلاب بھی ہمارے لئے قابلِ پیروی اور لائقِ اتباع نہیں ہے۔ میرا عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ انقلاب کسی جزوی تبدیلی یا محض حکمران ہاتھوں کی تبدیلی کا نام نہیں ہوتا' بلکہ ایک نظام کے مقابلے میں بالکلیہ کوئی دوسرا نظام رائج و نافذ ہونے کے عمل کو انقلاب کہا جاتا ہے۔ لہٰذا میری حقیری کوششوں کا ہدف یہ ہے کہ صحیح اسلامی بنیادوں پر انقلاب برپا ہو' جس میں لوگوں کے عقائد بدلیں' ان کے اعمال و افعال بدلیں' ان کی اقدار بدلیں' ان کے شب و روز بدلیں' ان کو دنیا کے مقابلے میں آخرت عزیز ہو' رضائے الٰہی ان کا مقصود و مطلوب بن جائے اور گھر سے لے کر بازار تک اور ایوانِ حکومت سے لے کر بین الاقوامی سطح تک ان کے تمام معاملات اللہ کے دین کے مطابق انجام پائیں۔

مسئلہ کا پس منظر اور پیش منظر

روزنامہ جنگ کے جمعہ میگزین میں شائع ہونے والے میرے انٹرویو میں خواتین سے متعلق میرے نظریات کو جس طرح اچھالا گیاہے' یہ میرے مستقل تجزیئے اور مستقل موقف کے مطابق نہیں ہے۔ بہرحال اس انٹرویو میں شامل چند جملوں پر ہماری خواتین کے ایک طبقے اور ان کے مؤیّدین حضرات کی طرف سے جس ردعمل' برافروختگی اور غصّے کا

اظہار ہوا اور ہمارے بعض مؤقر اخبارات نے ان خواتین و حضرات کے بیانات کو جس طرح پہلے صفحات پر جلی سرخیوں اور چوکھٹوں میں شائع کیا ہے اس سے ہمارے معاشرے کے رُخ کا ایک واضح پہلو ہمارے سامنے آگیا ہے جس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہمارا ماحول' ہماری معاشرت اور ہمارا معاشرہ کس رنگ اور کس نہج پر جارہا ہے اور کیا رجحانات اور میلانات ہمارے تعلیم یافتہ' صاحب ثروت اور صاحب اقتدار طبقے کے اکثر حضرات و خواتین میں راسخ ہو چکے اور رچ بس چکے ہیں۔ پھر یہ بھی دیکھئے کہ ہمارے ملک کی انتظامی مشینری نے بحیثیت مجموعی ان رجحانات و میلانات کا کس طرح ساتھ دیا ہے اور مارشل لاء کے ضابطوں کی کھلم کھلا خلاف ورزی سے کس طرح صرفِ نظر کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ مظاہرہ کرنے والی خواتین میں بعض اعلیٰ مناصب اور جاہ و حشمت رکھنے والے حضرات کی بیگمات اور خواتین شامل تھیں۔ [1] پھر اخبارات میں مضامین اور مراسلات کے ذریعے قرآن و سُنّت کی واضح تعلیمات بلکہ نصوصِ قطعیہ کے بالکل برخلاف جو من مانی اور مسخ شدہ تاویلات و تعبیرات سے جس طرح غض بصر کیا گیا ہے وہ بھی ملک کے اخبار بین طبقے کے سامنے ہے [2]۔

یہ تمام باتیں یقیناً ایسی ہیں کہ ہمارے لئے حالات کے رُخ کو پہچاننے میں مد ہیں۔ اور اگر ہمیں واقعتاً اس ملک میں اسلام ہی کو نافذ کرنا ہے تو ظاہر ہے کہ ہمارے لئے معاشرے کے میلانات اور رجحانات کے متعلق صحیح معلومات ضروری ہیں۔ اور مَیں سمجھتا ہوں کہ اپنے معاشرے کے بارے میں اگر ہمیں ایک حسن ظن' خوش گمانی اور اچھی توقع کی کیفیت پیدا ہو رہی تھی تو ہمیں اس ردِّ عمل کی روشنی میں اس پر نظرِثانی کی ضرورت

---

(۱) مراد ہے وہ مظاہرہ جو اخباری اطلاعات کے مطابق "الہدیٰ" بند کرانے کے مطالبے کے لئے جناب گورنر سندھ کی اہلیہ یاسمین عباسی کی زیر قیادت کیا گیا۔ (مرتب)

(۲) اس ضمن میں قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ پریس ٹرسٹ کے زیرِ اہتمام کراچی سے خواتین کے لئے شائع ہونے والے ہفت روزہ میں ایسے مضامین اور مراسلات کثرت سے شائع ہوتے رہے ہیں جن میں ڈاکٹر صاحب کو آڑے ہاتھوں لیتے ہوئے اسلام کے صریح احکام کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کا انداز اختیار کیا گیا ہے' جبکہ دنیا جانتی ہے کہ پریس ٹرسٹ حکومت کے تحت چلنے والا ادارہ ہے۔ (مرتب)

محسوس کرلینی چاہئے۔ اور اس بات کی تشخیص بھی ہو جانی چاہئے کہ ہمارے معاشرے کا اصل مرض کیا ہے!

اسلام میں خواتین کا مقام

آپ کو یاد ہو گا کہ مَیں نے چار پانچ تقاریر "قرآن کی سیاسی تعلیمات" کے موضوع پر کی تھیں۔ پھر ان کا خلاصہ ایک تقریر میں بیان کیا تھا جو ماہنامہ "میثاق" کے مارچ ۱۹۸۲ء کے شمارے میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کے بعد مَیں نے "اسلام کا معاشرتی نظام" کے موضوع پر بھی چار پانچ تقاریر کی ہیں۔ آج کی تقریر اِن تمام تقاریر کا ایک خلاصہ ہو جائے گی اور ان شاء اللہ العزیز یہ خلاصہ آئندہ ماہ کے میثاق میں شائع ہو جائے گا (اور اس کے بعد اسے کتابی صورت میں بھی شائع کر دیا جائے گا) تاکہ آپ حضرات کے سامنے اس مسئلے کے اہم گوشے تحریری شکل میں بھی آ جائیں۔ پھر جو لوگ ان باتوں سے اتفاق رکھتے ہوں اور اس کو معاشرے میں پھیلانا چاہتے ہوں اور خاص طور پر ہماری بہنوں تک اسلام کی تعلیمات پہنچانے کے خواہش مند ہوں تو وہ لوگ اس کتاب کو اس کام کا ذریعہ بنا سکیں' تاکہ ہماری بہنیں خود سوچیں کہ اسلام کیا چاہتا ہے؟ شریعتِ الٰہی کا منشا کیا ہے؟ اور کن طور طریقوں کو اختیار کر کے اپنی دنیا اور آخرت سنواری جا سکتی ہیں؟

ہمارے معاشرے میں ایک طبقہ تو وہ ہے جو جان بوجھ کر اسلامی احکام اور تعلیمات سے روگردانی کر رہا ہے یا جان بوجھ کر اسے مسخ کر رہا ہے۔ اس طبقے کے لئے تو ہماری گزارشات' تقریریں اور تحریریں لاحاصل ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے' اگرچہ بڑی تلخ ہے' کہ ہماری بعض بہنوں اور بھائیوں کو فی الواقع مغالطہ اور انتشار ذہنی (Confusion) لاحق ہے۔ جب ایک بات بڑے دعوے کے ساتھ اخبارات میں آئی ہے کہ "پورے قرآن مجید میں لفظ حجاب کہیں نہیں آیا ہے" یا یہ کہ "قرآن میں تو صاف صاف اس بات کا ذکر ہے کہ جو "مَرد کمائے وہ اس کے لئے اور جو عورت کمائے وہ اس کے لئے" اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن نے عورت کو معاشی جدّوجُہد کی کھلی اجازت دی ہے!" یا یہ کہ "فلاں فلاں غزوات میں خواتین نے حصہ لیا تھا' لہٰذا عورتوں کو مَردوں کے شانہ بشانہ حصہ لینے کی نظیریں موجود ہیں"۔ تو ایسی باتوں سے ایک مرتبہ

انسان چونک جاتا ہے کہ جب ان باتوں کو اس زور و شور اور یقین و اعتماد سے کہا گیا ہے اور قابل اعتماد اخبارات نے ان کو شائع کیا ہے تو یقیناً بات ایسی ہی ہو گی۔ ان وجوہ سے فضا میں غبار کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں کے لئے یقیناً یہ باتیں عام کی جانی اُن کے حق میں مفید ہوں گی۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح ان کے مغالطے دُور ہوں اور اصلاح کی صورت پیدا ہو۔

اب آیئے اصل مسئلہ کی طرف! قرآن اور اسلام کی رو سے حقیقتاً اور واقعتاً عورت کا مقام کیا ہے؟ بالخصوص یہ بات کہ عورت کی مَرد کے ساتھ مساوات یا عدم مساوات کی ہمارے دین میں کیا کیفیت اور کیا صحیح صورت ہے؟

عورت کا دینی اور اخلاقی تشخّص

اس ضمن میں پہلی بات تو مَیں یہ عرض کروں گا کہ جہاں تک دینی اور اخلاقی سطح کا تعلق ہے تو قرآن اور اسلام اس اعتبار سے مَرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ نیکی اور بدی کے کمانے میں دونوں اصناف کا علیحدہ علیحدہ ایک مکمل اخلاقی تشخص ہے، مَرد کا اپنا ہے اور عورت کا اپنا۔ مَرد جو نیکی کماتا ہے تو اپنے لئے اور بدی کماتا ہے تو اپنے لئے، اور عورت نے جو نیکی کمائی ہے تو اس کا اجر اس کے لئے ہے اور بدی کمائی ہے تو اس کا وبال بھی اسی کے اوپر ہو گا۔ عورت دینی اور اخلاقی اعتبار سے مَرد کے تابع نہیں ہے۔ چنانچہ سورۃ التحریم میں واضح کیا گیا کہ بہترین مَردوں کے گھر میں بدترین عورتیں رہیں۔ اس کے لئے حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں کی مثال دی گئی۔ اگر عورت دینی اور اخلاقی اعتبار سے مَرد کے تابع ہوتی تو ان دو جلیل القدر رسولوں کی بیویاں عذاب دنیوی اور سزائے اُخروی کی مستحق قرار نہ پاتیں۔ لیکن ان رسولوں کی بیویاں ہونا اُن کے کچھ کام نہ آیا اور وہ جہنم کی سزاوار قرار پائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ○ (التحریم : ۱۰)

"اللہ کافروں کے معاملے میں نوحؑ اور لوطؑ کی بیویوں کو بطور مثال پیش کرتا ہے۔

وہ ہمارے دو صالح بندوں کی زوجیت میں تھیں‘ مگر انہوں نے اپنے ان شوہروں
سے خیانت کی اور وہ اللہ کے مقابلے میں اُن کے کچھ بھی کام نہ آسکے۔ دونوں
سے کہہ دیا گیا کہ جاؤ آگ میں جانے والوں کے ساتھ تم بھی چلی جاؤ!“

چنانچہ معلوم ہوا کہ دینی اور اخلاقی لحاظ سے مَرد اور عورت کا معاملہ بالکل جدا ہے۔ یہاں ایک ضروری بات پیش نظر رہے کہ یہاں خیانت کا لفظ بدکاری کے مفہوم میں ہرگز نہیں ہے۔ حِبر الاُمۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اس آیت کی تفسیر میں ابن جریرؒ نے یہ قول روایت کیا ہے کہ ”کسی نبی کی بیوی کبھی بدکار نہیں رہی۔ ان دونوں عورتوں کی خیانت دراصل دین کے معاملے میں تھی۔ وہ اپنے شوہروں پر ایمان نہیں لائی تھیں۔ حضرت نوحؑ کی بیوی اپنی قوم کے جباروں کو ایمان لانے والوں کی خبریں پہنچایا کرتی تھی اور حضرت لوطؑ کی بیوی اُن کے ہاں آنے والے لوگوں کی اطلاع اپنی قوم کے بدکاروں کو دیا کرتی تھی۔“

اسی سورۃ التحریم میں دوسری مثال فرعون کی بیوی کی پیش کی گئی جن کا نام روایات میں آسیہ آتا ہے۔ فرعون اللہ کا بدترین دشمن‘ اللہ کا باغی‘ انتہائی سرکش ـــــ لیکن اس کی بیوی ایسی صاحب ایمان‘ خدا پرست اور خدا ترس خاتون کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان کو بطورِ مثال پیش کرتے ہوئے ان کی دعا نقل فرما رہے ہیں ۔

﴿ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ
لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ
الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ (التحریم : ۱۱)

”اور اللہ ایمان کے معاملے میں فرعون کی بیوی کی مثال پیش کرتا ہے‘ جبکہ اس
نے دعا کی: اے میرے ربّ! میرے لئے اپنے ہاں جنت میں ایک گھر بنا دے اور
مجھے فرعون اور اس کے عمل سے بچالے اور ظالم قوم سے مجھے نجات دے!“

حضرت آسیہ کے لئے فرعون جیسے طاغی و سرکش کی بیوی ہونا بھی کسی نقصان کا موجب نہیں ہوا۔ ان دونوں مثالوں سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ عورت دینی اور اخلاقی حیثیت سے مَرد کے تابع نہیں ہے‘ بلکہ اس اعتبار سے اس کا ایک علیحدہ اور جداگانہ تشخص ہے۔

اسی بات کو نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث سے بھی سمجھئے کہ آنحضرتؐ نے اپنی عزیز ترین بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور آپ کی ذاتِ اقدس سے بہت محبت کرنے والی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو خطاب کرکے فرمایا:

((يَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْقِذِيْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَاِنِّيْ لَا اَمْلِكُ لَكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا' يَا صَفِيَّةُ عَمَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْقِذِيْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَاِنِّيْ لَا اَمْلِكُ لَكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا))

"اے فاطمہ! محمد ﷺ کی لختِ جگر! اپنے آپ کو (جہنم کی) آگ سے بچانے کی فکر کرو' اس لئے کہ مَیں اللہ کے ہاں تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکوں گا۔ اور اے صفیہ! رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی' اپنے آپ کو آگ سے بچانے کی فکر کرو' کیونکہ مَیں اللہ کے ہاں تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکوں گا۔"

وہ مساوات جس کو اسلام تسلیم کرتا ہے

سورۂ آلِ عمران کے آخری حصے میں فرمایا گیا ہے:

﴿ ....اَنِّيْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ ﴾ (آل عمران : ۱۹۵)

"....میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے کسی بھی عمل کو ضائع کرنے والا نہیں ہوں' خواہ وہ عمل کرنے والا مرد ہو خواہ عورت۔ تم سب ایک دوسرے ہی میں سے ہو۔"

مرد و عورت تمدن کی گاڑی کے دو پہیّے ہیں۔ ان کی جسمانی ساخت اور نفسیاتی کیفیات مختلف ہیں۔ یہ اختلافات تمدن کی ضرورت کے تحت رکھے گئے ہیں۔ انسان ہونے کے ناطے سے وہ ایک دوسرے کی جنس ہیں' لیکن دینی اور اخلاقی اعتبارات سے دونوں کا جداگانہ اور مستقل تشخص ہے اور وہ اپنی اپنی شخصیت کے ذمہ دار ہیں ـــــ یہی بات سورۃ الاحزاب میں بڑے ہی پیارے انداز میں آئی ہے' فرمایا گیا:

﴿ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ

وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ
وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ
وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ
اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا۝ (الاحزاب : ۳۵)

"بالیقین جو مرد اور جو عورتیں مسلم ہیں' ایمان والے اور ایمان والیاں ہیں' مطیع فرمان ہیں' راست گو اور راست باز ہیں' صبر کرنے والے اور صبر کرنے والیاں ہیں' اللہ کے آگے جھکنے والے اور جھکنے والیاں ہیں' صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیاں ہیں' روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں ہیں' عصمت مآب ہیں' اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں ہیں' اللہ نے ان (مردوں اور عورتوں) کے لئے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔"

اب ذرا غور کیجئے کہ دینی و اخلاقی مساوات کو یہاں کس قدر حسین اور جامع اسلوب سے نمایاں کیا گیا ہے۔ جتنے اور جو بھی اعلیٰ اوصاف مسلمان مرد میں ہو سکتے ہیں اتنے اور وہی اعلیٰ اوصاف مسلمان خاتون میں بھی ہو سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے اِن میں کوئی فرق و تفاوت نہیں ہے۔ دینی' اخلاقی اور روحانی ترفّع اور اعلیٰ مقامات و مدارج تک پہنچنے کے جتنے بھی مواقع مردوں کے لئے ہو سکتے ہیں اتنے ہی خواتین کے لئے بھی موجود ہیں۔ ان کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ وہ ان مقاماتِ عالیہ تک نہ پہنچ سکتی ہوں یا اِن اعتبارات سے وہ کم تر درجے کی حامل ہوں۔ پس یہ آیت کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ دینی' اخلاقی اور روحانی لحاظ سے عورت کا تشخص بھی کامل ہے اور مرد کے ساتھ وہ مکمل مساوات رکھتی ہے۔ اسی طرح سورۃ النساء کی آیت ۳۲ میں فرمایا گیا:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا
اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمًا۝ (النساء:۳۲)

"اور اللہ نے مرد و عورت میں سے ایک دوسرے کو جو فضیلت دی ہے اس کے لئے ارمان نہ کرو۔ مرد حصّہ پائیں گے اس میں سے جو وہ کمائی کریں گے اور

عورتیں حصہ پائیں گی اس میں سے جو وہ کمائی کریں گی۔ اللہ سے اس کی بخشش میں سے حصہ مانگو! بالیقین اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔"

یہاں بھی در حقیقت دینی' اخلاقی اور روحانی سطح کے موضوع کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اس آیت میں ایک طرف تو یہ بات واضح ہو گئی کہ قدرت کی طرف سے مَرد اور عورت کو جو خصوصیات ودیعت کی گئی ہیں اُن میں فضیلت کا پہلو کسی ایک ہی کے ساتھ مخصوص نہیں' بلکہ اس لحاظ سے دونوں برابر کے حصہ دار ہیں۔ لیکن فضیلت فضیلت میں فرق ہے۔ لہٰذا یہ تمنا نہ کرو کہ جو فضیلتیں فطرت کے مطابق دی گئی ہیں ان میں مساوات اور یکسانیت ہو۔ ایک دوسرے پر رشک کرنے اور ان کی ریس کرنے کے بجائے ہر ایک اپنی نعمتوں کے حصے پر قانع اور شکر گزار رہے اور ان کا حق ادا کرنے کی کوشش کرے۔ دوسری طرف یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ نیکی اور بدی کی کمائی کرنے میں مَرد اور عورت بالکلیہ آزاد ہیں۔ ہر ایک کو اپنی اپنی کمائی میں سے حصہ ملے گا۔ مَرد کی کمائی ہوئی نیکی یا بدی میں عورت حصہ دار نہیں ہو گی اور اسی طرح عورت کی کمائی ہوئی نیکی یا بدی سے مَرد کو کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ گویا دینی' اخلاقی اور روحانی اعتبار سے مَرد و عورت کا مکمل جداگانہ تشخص ہے اور اس لحاظ سے دونوں میں کامل مساوات ہے۔ دونوں اس میدان میں اپنی اپنی محنت اور لگن سے نیکیاں کما سکتے ہیں' جس کے اجر میں کمائی کرنے والے ہی کا حصہ ہو گا۔ اور جو کوئی ہوائے نفس سے مغلوب ہو کر اور شیطان کے فریب میں آ کر بدی کمائے گا تو اس کا وبال اس کمائی کرنے والے کے سر پر ہی ہو گا۔

اس آیت پر خصوصی توجّہ دینے کی ضرورت ہے' اس لئے کہ ہماری کچھ بہنیں اس آیت میں لفظ "کسب" سے بڑے مغالطے میں مبتلا ہو گئی ہیں اور آج کے دَور کی "جدید مفسراتِ قرآن" اس لفظ "کسب" سے ہماری سادہ لوح بہنوں کو مغالطے میں مبتلا کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں۔ یہ جدید مفسرات بڑے دھڑلے سے کہہ رہی ہیں کہ اس آیت میں کسب سے مراد یہ ہے کہ معاش کے لئے جس طرح مَرد بھاگ دوڑ کر سکتا ہے' کاروبار یا ملازمت کر سکتا ہے اسی طرح عورت کو بھی معاشی جدوجہد میں حصہ لینے کی پوری آزادی اور کھلی چھوٹ ہے۔ میں اس مسئلہ پر آگے قدرے تفصیل سے گفتگو کروں گا' لیکن یہاں یہ جان لیجئے کہ قرآن مجید میں لفظ "کسب" اکثر و بیشتر نیکی یا بدی کمانے

کے معنی اور مفہوم میں آیا ہے۔ میرے مطالعے کے مطابق لفظ کسب دُنیوی کمائی کے لئے صرف سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۶۷ میں استعمال ہوا ہے' جہاں انفاق فی سبیل اللہ پر زور دیا گیا ہے اور اس کی تاکید کی گئی ہے۔ فرمایا گیا ہے :

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ ﴾ (البقرۃ : ۲۶۷)

"اے اہل ایمان! جو مال تم نے کمائے ہیں ان میں سے پاکیزہ اور بہتر حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔"

دُنیوی رزق کو تو اللہ تعالیٰ فضل قرار دیتا ہے۔ انسان جو کچھ دُنیوی رزق اور مال حاصل کرتا ہے اس کے لئے قرآن کی اصطلاح "فضل" ہے' کسب یعنی کمائی نہیں ہے۔ قرآن مجید کی تعلیم یہ ہے کہ بلاشبہ محنت اور مشقت تم کرتے ہو لیکن یہ نہ سمجھنا کہ مجھے جو کچھ ملا ہے وہ میری محنت و مشقت کا حاصل اور ثمرہ ہے' بلکہ یہی سمجھنا کہ یہ اللہ کا فضل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تم محنت کئے جاؤ اور ہاتھ کچھ بھی نہ آئے' مشقت کئے جاؤ اور نتیجہ صفر نکلے ـــــ ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ انسان سونے میں ہاتھ ڈالتا ہے اور وہ راکھ بن جاتا ہے' حالانکہ ذہانت و فطانت بھی ہے اور محنت و احتیاط بھی۔ اس کے برعکس ایک وہ شخص ہے جو مٹی میں ہاتھ ڈالتا ہے تو وہ سونا بن جاتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ رزق کی بہم رسانی' اس کی کشادگی اور تنگی من جانب اللہ تعالیٰ ہوتی ہے۔ اور یہ اصل میں اس کا فضل ہے ـــــ باقی رہا لفظ "کسب" تو وہ نیکی کمانے اور بدی کمانے دونوں معنوں میں آتا ہے۔ لہٰذا اس آیت ۳۲ میں بھی دینی اور اخلاقی اعتبار سے بات کہی گئی ہے کہ مَردوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے (نیکی یا بدی کی) کمائی کی اور عورتوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے (نیکی یا بدی کی) کمائی کی۔ مَردوں کی کمائی ان کے لئے ہے' اس میں عورتوں کا کوئی حصہ نہیں اور اسی طرح عورتوں کی کمائی ان کے لئے ہے' وہ مَردوں کے حساب میں درج نہیں ہوگی۔

یہاں خاص طور پر یہ بات نوٹ کیجئے کہ : "نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا" اور "نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ" کے الفاظ آئے ہیں۔ اگر یہاں لفظ "کسب" دُنیوی کمائی کے لئے استعمال ہوتا تو "نصیب" (حصہ) نہ کہا جاتا۔ دنیا میں تو کمائی پوری ملتی ہے۔ مثلاً اگر کسی کاریگر یا مزدور نے تیس روپے روزانہ اُجرت طے کر کے کام کیا ہے تو اسے پورے تیس روپے ملیں

گے۔ نَصِیْبٌ مِّنْهُ یعنی اس کا کوئی جز و یا حصہ نہیں ملے گا۔ اس آیت میں لفظ نصیب اس مفہوم کی طرف رہنمائی کر رہا ہے کہ انسان دنیا میں جو نیکی یا بدی کماتا ہے' ضروری نہیں ہے کہ اس کے مطابق اور اسی مقدار میں بدلہ بھی مل جائے۔ ہو سکتا ہے کہ نیکی کمانے میں کہیں حسن نیت میں کوئی کمی ہو' لہٰذا اس کا اجر کچھ کم ہو جائے۔ ہو سکتا ہے کہ اخلاص پورا ہو تو اسی مناسبت سے اسی نیکی پر اسے دوسروں کے مقابلے زیادہ اجر مل جائے۔ یہ بھی ہو گا کہ کسی کی نیکی کے اثرات معاشرے میں پھیلیں اور کسی کی اسی نیکی کے اثرات اس کی ذات تک محدود رہیں تو اسی اعتبار سے اجر و ثواب میں تفاوت واقع ہو جائے گا۔ ان ہی اصولوں کا بدی کمانے کے معاملے پر بھی انطباق کر لیجئے۔

عورت کا قانونی تشخص

آگے چلئے! یہ بات اپنی جگہ بالکل صحیح ہے کہ تاریخ انسانی میں اسلام نے پہلی مرتبہ عورت کو مستقل قانونی تشخص عطا کیا ہے' Legal Status دیا ہے۔ وہ اپنی ذاتی ملکیت رکھ سکتی ہے۔ اس کو حق ملکیت بھی حاصل ہے اور اس پر تصرف کا اختیار بھی —— یہ جو قانونی تشخص ہے' یہ اسلام نے عورت کو اس درجے دیا ہے کہ میرے علم میں نہیں ہے کہ کسی اور مذہب نے عورت کا یہ تشخص تسلیم کیا ہو اور اسے عطا کیا ہو۔ روحانی اعتبار سے تو تقریباً تمام مذاہب میں سمجھا یہی گیا ہے کہ "عورت" سرتاپا شر ہی شر ہے' یہ گندگی کی پوٹلی ہے' یہ بِس کی گانٹھ ہے' یہ برائی اور بدی کا سرچشمہ اور منبع ہے۔ انگریزی لفظ "Evil" (جس کے معنی بدی اور برائی' گنہگار اور شیطان و ابلیس لئے جاتے ہیں) کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ "Eve" سے بنا ہے جو "حوّا" کے نام کا انگریزی ترجمہ ہے۔ عیسائیت میں عورت کے متعلق یہی تصورات ہیں جن کا مَیں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ جبکہ اسلام کا تصور یہ نہیں ہے' بلکہ اسلام نے عورت کو بھرپور دینی و اخلاقی تشخص کے ساتھ بھرپور قانونی تشخص بھی عطا کیا ہے۔ عورت کو پستی کے مقام سے اٹھا کر اسلام نے کس اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز کیا ہے اس پر مَیں آگے قدرے تفصیل سے گفتگو کروں گا۔ یہاں مَیں صرف ایک حدیث آپ کو سنانا چاہتا ہوں' جس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ دیگر مذاہب میں عورت کے متعلق جو غلط تصورات ہیں اُن کا اسلام میں کس طرح ابطال

کیا گیا ہے۔ سنن نسائی میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((حُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا اَلنِّسَاءُ وَالطِّیْبُ' وَجُعِلَ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ))

"دنیا کی چیزوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب عورت اور خوشبو ہے' اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔"

قانونی تشخص میں مساوات نہیں ہے

جو لوگ بھی اسلام کو واقعی ایک مکمل نظامِ حیات اور زندگی کے ہر معاملے میں کتاب و سنّت ہی کو اپنا ہادی اور امام تسلیم کرتے ہیں اور اسی کی رہنمائی کی پیروی کو اپنے لئے دنیا و آخرت میں موجب فوز و فلاح اور سعادت سمجھتے ہیں وہ نوٹ کریں کہ اسلام نے عورت کو ایک مکمل قانونی تشخص ضرور عطا کیا ہے' لیکن قانونی سطح پر مَرد و عورت کو مساوی اور برابر نہیں رکھا گیا ہے۔ مرد و عورت دینی اور اخلاقی سطح پر بالکل برابر ہیں' ان کے مابین کامل مساوات ہے' لیکن قانونی طور پر یہ مساوات قائم نہیں رہتی ـــــ اس ضمن میں قرآن مجید سے دو باتیں تو ایسی نمایاں طور پر ثابت ہیں کہ جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

(۱) اسلام نے عورتوں (بیٹیوں' بیویوں اور ماؤں) کا وراثت میں حق رکھا ہے اور ان کو حصّہ دیا ہے لیکن برابر نہیں۔ بیٹے کے مقابلے میں بیٹی کا حصّہ آدھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِکُمْ ۚ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ۚ ﴾

(النساء: ۱۱)

"اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں یہ ہدایت کرتا ہے کہ مَرد کو دو عورتوں کے برابر حصّہ دو۔"

اسی طرح باپ کے مقابلے میں ماں کا حصّہ آدھا ہے۔ کون شخص ہے جو مسلمان ہونے کا مدعی ہو' قرآن پر ایمان رکھنے کا دعوے دار ہو اور کسی درجے میں قرآن سے واقف ہو' اور یہ نہ جانتا ہو کہ قانونِ وراثت قرآن مجید میں کس قدر تفصیل سے آیا ہے!۔ پھر یہ کہ

عورت کو (بحیثیت بیٹی 'بیوی 'ماں 'بہن 'خالہ 'پھوپھی) جو حقِ وراثت دیا گیا ہے وہ مَرد کے مقابلے میں آدھا ہے۔

پھر اس کا سبب بھی بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے 'وہ یہ کہ اسلام معاشی کفالت کا تمام بوجھ مَرد کے کاندھوں پر ڈالتا ہے اور اپنی جسمانی ساخت 'توانائیوں اور صلاحیتوں کے لحاظ سے وہی اس بوجھ کو اٹھانے کے لائق اور قابل بھی ہے۔ لہٰذا وراثت میں عورت کے مقابلے میں اس کا دوہرا حصّہ رکھا گیا ہے۔ بیٹی کو جو کچھ ملے گا وہ اسے بیوی کی حیثیت سے لے کر شوہر کے گھر چلی جائے گی اور یہ اس کی ذاتی ملکیت ہو گی۔ یا پہلے ہی سے شادی شدہ ہے تو اس کو یہ ورثہ ذاتی طور پر مل جائے گا۔ اس کی اپنی کفالت اپنے شوہر کے ذمّہ ہے۔ لہٰذا باپ یا ماں کی طرف سے ملنے والا ورثہ اس کی ذاتی ملکیت (Personal Property) کی حیثیت سے رہے گا۔ اس کو شوہر یا اپنے بچوں کی کفالت نہیں کرنی۔ لیکن بیٹے کو ظاہر بات ہے کہ اپنے خاندان کی کفالت کرنی ہے۔ چنانچہ یہ بالکل منطقی اور عقلی طور پر مربوط اور متعلق چیزیں ہیں۔ ان میں کوئی استبعاد نہیں ہے کہ بیٹی کو بیٹے کے مقابلے میں حصّہ نصف دیا جائے۔

(۲) آپ کو معلوم ہے کہ قانون میں "شہادت" بڑی اہمیت رکھنے والی چیز ہے۔ شہادت کے بارے میں قرآن سے معمولی شغف رکھنے والا کون شخص ہو گا جو یہ نہیں جانتا ہو گا کہ قرآن کا قانون یہ ہے کہ شہادت کا نصاب یا دو مَرد ہیں یا ایک مَرد اور دو عورتیں ہیں۔ یعنی ایک مَرد کے ساتھ شہادت کیلئے دو عورتیں ہونی ضروری ہیں۔ ان دو عورتوں کی شہادت ایک مَرد کی شہادت کے مساوی شمار کی جائے گی۔ یہ قانون قرآن مجید میں صراحتاً مذکور ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت ۲۸۲ میں 'جو بڑی طویل آیت ہے 'بہت سے قوانین بیان ہوئے ہیں 'جن میں قانونِ شہادت بھی شامل ہے 'جس کے ضمن میں فرمایا گیا:

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى ؕ (البقرۃ : ۲۸۲)

"اور گواہ بناؤ اپنے مَردوں میں سے دو 'اگر دو مَرد موجود نہ ہوں تو پھر ایک مَرد

اور دو عورتیں جن کو تم گواہوں میں سے پسند کرو' تاکہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری یاد دلا سکے۔"

ایک مَرد کے مقابلے میں دو عورتوں کو بطورِ گواہ مقرر کرنے کی حکمت بھی بیان فرما دی کہ اگر ایک عورت بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے ـــــ اب آپ سوچئے کہ نسیان مَرد کو بھی لاحق ہو سکتا ہے' مَرد بھی بھول سکتا ہے اور عورت بھی' لیکن قرآن حکیم کا یہ اسلوب اور انداز بتا رہا ہے کہ نسیان کا زیادہ امکان عورت کے بارے میں ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ مَرد و عورت کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے۔ ان کی فطرت کی ساخت بھی اسی کی بنائی ہوئی ہے اور وہ ان کی خلقت سے خواب واقف ہے۔

﴿ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۗ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ ﴾ (الملك : ۱۴)

"کیا وہی نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا ہے؟ درآں حالیکہ وہ باریک بین اور باخبر ہے۔"

پس وہی اللہ مَرد و عورت کی فطرت کا فاطر ہے۔ وہ عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ لہٰذا اس سے بڑھ کر جاننے والا تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

پھر عورت کے مزاج میں جذبات کا عنصر غالب رکھا گیا ہے اور جذبات ذہول ونسیان کا زیادہ سبب بنتے ہیں ـــــ جذبات کا عنصر مَرد میں بھی ہے لیکن اس کی جو نفسیاتی ساخت ہے اس میں یہ عنصر عورت کے مقابلے میں زیادہ غالب اور قابو یافتہ نہیں ہوتا۔ اس موقع پر یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ ؎

خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد!!

نہ ہر زن زن است و نہ ہر مَرد مَرد

باقاعدہ جائزہ لینے بیٹھیں تو ہو سکتا ہے کہ آپ کو بہت سے مَرد عورتوں سے بھی زیادہ جذباتی نظر آئیں اور بہت سی عورتیں مَردوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ سرد مزاج (cool minded) مل جائیں' لیکن یہ استثناء (exception) ہو گا۔ جب آپ اوسط (average) کو سامنے رکھیں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ مَرد زیادہ متحمل مزاج ہے اور عورت میں جذبات کا عنصر غالب ہے ـــــ اور یہ بھی درحقیقت ان فرائض منصبی سے بہت زیادہ مناسبت رکھنے والی چیز ہے جو عورت کے ذمہ کئے گئے ہیں۔ لہٰذا اس اعتبار سے

نسیان کا امکان و احتمال مَرد کے بہ نسبت عورت میں زیادہ ہے۔ چنانچہ اسی لئے شہادت کا نصاب دو مَرد یا ایک مَرد اور دو عورتیں ہمارے دین نے مقرر کیا ہے۔ گویا اسلامی قانونِ شہادت میں مَرد کی گواہی کے مقابلے میں عورت کی گواہی کو آدھا رکھا گیا ہے۔ یہ گواہی "پوری ایک" اس وقت شمار ہو گی جب دوسری عورت بھی یہی گواہی دینے کے لئے موجود ہو ـــــ عورت کو اسلام نے ایک قانونی تشخص دیا ہے۔ یہ اسلام کا عورت پر بہت بڑا احسان ہے۔ لیکن یہ معاملہ کہ وہ قانونی تشخص میں مَرد کے مساوی ہو تو یہ بات نہیں ہے بلکہ اس میں فرق و تفاوت ہے' جیسا کہ مَیں نے قرآنِ حکیم کے دو احکام کی مثالوں سے آپ کے سامنے واضح کیا ہے۔

قابلِ غور بات

اب معاشرتی و اجتماعی دائرے کے اندر مَرد و زن کی بلاقید اور کامل مساوات کے قائلین کو سوچنا چاہئے کہ اس طرح تو ان کے نظریۂ مساوات اور اسلامی قوانین میں قدم قدم پر تصادم ہو گا۔ آپ اسلام کی کچھ پابندیوں کو فقہاء یا مُلاّؤں کا اسلام کہہ کر اس سے پہلو تہی کرنا چاہتے ہیں اور عورتوں کو مَردوں کے مساوی حقوق دینے کا نعرہ بلند کرتے ہیں تو ان قوانین صریحہ اور نصوصِ قطعیہ کے بارے میں آپ کیا رویہ اختیار کریں گے جن سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وراثت اور قانونِ شہادت میں عورت کا تشخص مَرد کے مقابلے میں آدھا کیا گیا ہے؟ ایک مَردِ معقول کو دو راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کرنا ہو گا۔ پہلا راستہ یہ ہے کہ اس غلط نظریئے سے تائب ہو کر سیدھے سیدھے خود کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں دے دے' جیسا کہ قرآن ہر مؤمن مَرد اور مؤمن عورت سے مطالبہ کرتا ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝ ﴾ (الاحزاب: ۳۶)

"کسی مؤمن مَرد اور کسی مؤمن عورت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ؐ کسی معاملے میں کوئی فیصلہ دے دیں تو پھر اسے اس معاملے میں

(باقی صفحہ ۸۰ پر)

مسلمان کا طرزِ حیات (۱۳)

علامہ ابو بکرالجزائری کی شہرۂ آفاق تالیف

"منہاجُ المُسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

کتاب العقائد

پندرھواں باب

اللہ کے ولی اور کرامت'
شیطان کے ولی اور شعبدہ بازی

اللہ کے ولی

اللہ کے بندوں میں سے بعض افراد اس کے ولی اور دوست ہوتے ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ اپنی عبادت اور اطاعت کی توفیق بخشتا ہے۔ انہیں اللہ کی محبت کا شرف حاصل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ انہیں عزت عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کا ولی اور دوست ہے' ان سے محبت رکھتا ہے اور انہیں مقرب بنالیتا ہے۔ اور یہ حضرات اللہ کے ولی ہوتے ہیں' اس سے محبت رکھتے ہیں' اس کی عظمت کا احساس رکھتے ہیں اور اس کا پاس کرتے ہیں۔ اس کے احکام پر خود بھی عمل پیرا ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی ان پر عمل کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ خود بھی اللہ کے منع کیے ہوئے کاموں سے بچتے ہیں' دوسروں کو بھی ان سے روکتے ہیں۔ ان کی محبت و نفرت' پسند اور ناپسند' اللہ کی پسند اور ناپسند کے تابع ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ جب اللہ سے کچھ مانگتے ہیں اللہ انہیں دے دیتا ہے' جب اس سے مدد کے طلب گار ہوتے ہیں وہ ان کی مدد فرماتا ہے' جب وہ اس کی پناہ چاہتے ہیں اللہ انہیں پناہ اور حفاظت میں لے لیتا ہے۔ یہ ایمان اور تقویٰ کے اوصاف سے متصف ہوتے ہیں۔

دنیا اور آخرت میں انہیں عزت اور خوش خبری ملتی ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ ہر متقی مؤمن اللہ کا ولی ہے' البتہ تقویٰ اور ایمان کی کمی بیشی کے مطابق ان کے درجات بھی مختلف ہیں۔ جو کوئی ایمان اور تقویٰ سے زیادہ بہرہ ور ہے اللہ کے ہاں بلند مقام کا حامل ہے اور وہ زیادہ عزت و شرف سے سرفراز ہے۔ چنانچہ رسول اور نبی اولیاء اللہ کے سردار ہیں۔ ان کے بعد دوسرے مؤمنوں کا درجہ ہے۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ بعض اوقات کرامتیں ظاہر فرمادیتا ہے' مثلاً تھوڑے کھانے کا زیادہ ہو جانا' بیماری اور تکلیف سے شفادینا' سمندر میں بغیر کشتی کے داخل ہو جانا' آگ میں نہ جلنا۔ یہ کرامتیں معجزات کی جنس سے ہیں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ معجزہ کے ساتھ ایک چیلنج[1] ہوتا ہے' لیکن کرامت کا تحدّی اور چیلنج سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت پر استقامت نصیب ہو جائے' یعنی شرعی طور پر جن کاموں کا حکم دیا گیا ہے ان پر پابندی کے ساتھ عمل کرنے کی توفیق مل جائے اور حرام اور ممنوع امور سے باز رہا جاسکے۔ اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں :

(۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے اولیائے کرام اور ان کی کرامتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہے :

﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ○ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ ﴾ (یونس : ۶۲ - ۶۴)

"خبردار! اللہ کے دوستوں پر کوئی خوف نہیں' نہ وہ غمگین ہوں گے۔ جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیے رہے۔ دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں انہی کے لیے خوش خبری ہے۔ اللہ کی باتیں تبدیل نہیں ہوتیں۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔"

نیز فرمایا :

﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ ﴾

(البقرة : ۲۵۷)

"اللہ مؤمنوں کا دوست ہے' انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آتا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ ..... ﴾

(الانفال : ۳۴)

"یہ (مشرک) اس کے ولی نہیں۔ اس کے ولی تو محض متقی ہوا کرتے ہیں ....."

اور فرمایا:

﴿ اِنَّ وَلِيِّـىَۧ اللّٰهُ الَّذِىْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ○ ﴾

(الاعراف : ۱۹۶)

"میرا ولی (محبوب اور کارساز) تو وہ اللہ ہے جس نے کتاب نازل کی اور وہ نیکوں کے کام بناتا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ○ ﴾ (یوسف : ۲۴)

"اس طرح اس لئے ہوا کہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو دور ہٹادیں، وہ (یوسف) ہمارے خاص بندوں میں سے تھا۔"

اور فرمایا:

﴿ اِنَّ عِبَادِىْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ ﴾ (بنی اسرائیل : ۶۵)

"(اے شیطان!) میرے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں۔"

اور فرمایا:

﴿ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ ﴾ (آل عمران : ۳۷)

"جب بھی زکریا اس (مریم) کے پاس خلوت کدہ میں آتا اس کے پاس رزق موجود پاتا۔ (ایک بار) اس نے کہا: اے مریم! تجھے یہ کہاں سے ملتا ہے؟ اس نے کہا: وہ اللہ کے پاس سے ہے۔"

ایک مقام پر فرمایا:

﴿ وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ○

فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ○ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ○ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ○ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ○ ﴾

(الصّٰفّٰت : ۱۳۹۔۱۴۴)

"یقیناً یونس رسولوں میں سے تھا۔ جب وہ بھاگ کر بھری ہوئی کشتی میں چلا گیا' پھر قرعہ ڈالا تو اسے دھکیل دیا گیا' پھر اسے مچھلی نے لقمہ بنالیا اور وہ قابل ملامت تھا۔ تو اگر وہ اللہ کی پاکیزگی بیان کرنے والوں میں سے نہ ہوتا تو اس کے پیٹ میں اس دن تک رہتا جس دن لوگ (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے۔"

حضرت مریم (سلام علیہا) کے متعلق فرمایا:

﴿ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ○ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ○ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ﴾ (مریم : ۲۴۔۲۶)

"اسے نیچے کی طرف سے (فرشتے نے) آواز دی کہ غم نہ کر! تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے۔ اور کھجور کے درخت کے تنے کو اپنی طرف حرکت دے' اس سے تجھ پر تازہ کھجوریں گریں گی۔ پس کھا پی اور آنکھیں ٹھنڈی کر!"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے:

﴿ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ○ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ○ ﴾ (الانبیاء : ۶۹'۷۰)

"ہم نے کہا اے آگ! ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا! انہوں نے اس کے خلاف تدبیر کرنا چاہی تو ہم نے انہیں ہی زیادہ خسارہ پانے والے بنا دیا۔"

اصحابِ کہف کے متعلق ارشاد فرمایا:

﴿ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ○ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ○ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ○ ﴾

(الکہف : ۹۔۱۱)

"کیا تیرا خیال ہے کہ غار اور نوشتہ والے ہماری نشانیوں میں سے عجیب (نشانی) تھے؟ جب جوانوں نے غار میں ٹھکانہ بنایا تو انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمیں اپنے پاس سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے لیے ہمارے کام میں بہتری مہیا فرما۔ چنانچہ ہم نے انہیں غار میں بہت سالوں تک کانوں پر تھپک (کر سلا) دیا۔"

(۲) جنابِ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور ان کی کرامتوں کے متعلق بھی فرمایا ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ ' وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهُ عَلَیْهِ ' وَلاَ یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهُ' فَاِذَا اَحْبَبْتُهُ کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ' وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یَبْصُرُ بِهٖ' وَیَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا' وَرِجلَهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا' وَلَئِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّهُ' وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّهُ)) (۲)

"جو میرے کسی ولی سے دشمنی رکھتا ہے تو میری طرف سے اسے اعلانِ جنگ ہے' اور میرا بندہ جن اعمال کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں سے وہ عمل مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے جو مَیں نے اس پر فرض کیا ہے' اور میرا بندہ نفلی اعمال کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ مَیں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں' اور جب وہ میرا محبوب بن جاتا ہے تو مَیں اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے' اور اس کی نظر بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے' مَیں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے' مَیں اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے' پھر اگر وہ مجھ سے کچھ مانگے تو مَیں اسے ضرور دوں گا' اور اگر کسی چیز سے میری پناہ مانگے تو مَیں اسے ضرور پناہ دوں گا۔"

ایک اور حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((اِنِّیْ لَاَثْاَرُ لِاَوْلِیَائِیْ کَمَا یَثْاَرُ اللَّیْثُ الْحَرْبُ))

"میں اپنے دوستوں کے لیے اس طرح انتقام لیتا ہوں جس طرح [illegible] لیتا ہے۔"

ارشادِ نبوی ہے:

((اِنَّ لِلّٰہِ رِجَالاً لَوْ اَقْسَمُوْا عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّھُمْ))[۳]

"اللہ کے کچھ ایسے بندے بھی ہیں کہ اگر اللہ کے متعلق قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم پوری کر دیتا ہے۔"

نیز فرمایا:

((لَقَدْ کَانَ فِیْمَا کَانَ قَبْلَکُمْ مِنَ الْاُمَمِ نَاسٌ مُحَدَّثُوْنَ ' فَاِنْ کَانَ فِیْ اُمَّتِیْ اَحَدٌ فَاِنَّہٗ عُمَرُ))[۴]

"تم سے پہلی امتوں میں سے ایسے افراد ہوتے تھے جن سے بات کی جاتی تھی' اگر میری امت میں کوئی ایسا شخص ہوا تو وہ عمر(رضی اللہ عنہ) ہو سکتے ہیں۔"

ایک بار آنحضرت ﷺ نے یہ واقعہ سنایا' فرمایا:

((کَانَتِ امْرَاَۃٌ تُرْضِعُ وَلَدَھَا' فَرَاَتْ رَجُلاً عَلٰی فَرَسٍ فَارِہٍ' فَقَالَتْ: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ وَلَدِیْ مِثْلَ ھٰذَا ' فَالْتَفَتَ اِلَیْہِ الطِّفْلُ وَھُوَ یَرْضَعُ وَقَالَ: اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْنِیْ مِثْلَہٗ))[۵]

"ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی' اس نے ایک شخص عمدہ گھوڑے پر سوار دیکھا۔ بولی: اے اللہ! میرے بیٹے کو اس جیسا بنانا۔ بچے نے دودھ پینے کے دوران اس شخص کی طرف مڑ کر دیکھا اور کہا: اے اللہ! مجھے اس جیسا نہ بنانا۔"

دودھ پیتے بچے کے کلام کرنے میں بچے کے لئے بھی کرامت ہے اور اس کے والدین کے لیے بھی۔ جریج عابد رحمہ اللہ اور ان کی والدہ کے واقعہ میں ہے کہ ان کی والدہ نے کہا: "اے اللہ! اسے موت نہ دینا جب تک تُو اسے بدکار عورتوں کے چہرے نہ دکھا دے"۔ اللہ کے ہاں اُس خاتون کا جو مقام تھا اس کی وجہ سے اللہ نے اس کی یہ دعا قبول فرمالی۔ پھر جب حضرت جریج ؒ پر الزام لگایا گیا کہ فلاں بدکار عورت کا بچہ ان سے پیدا ہوا ہے تو انہوں نے دودھ پیتے بچے کو مخاطب کر کے کہا: تیرا باپ کون ہے؟ بچے نے کہا: میرا باپ چرواہا ہے"۔[۶] اس شیر خوار بچے کا کلام کرنا جریج ؒ کی کرامت ہے۔

تین غار والوں کا واقعہ جو گزشتہ فصل میں بیان ہوا ہے' جو غار کے منہ پر بھاری چٹان

گرنے کی وجہ سے وہاں قید ہو کر رہ گئے تھے' تو انہوں نے اپنے نیک اعمال کے واسطہ سے دعا کی' اللہ تعالیٰ نے چٹان ہٹادی اور وہ صحیح سلامت باہر آگئے[7]۔ یہ بھی ان حضرات کی کرامت ہے۔ عبادت گزار اور لڑکے کے واقعہ والی حدیث میں مذکور ہے کہ ایک بڑے جانور نے لوگوں کا راستہ بند کر رکھا تھا' لڑکے نے اسے چھوٹا سا پتھر مارا تو وہ جانور مرگیا اور لوگوں کا راستہ کھل گیا۔ یہ اُس لڑکے کی کرامت تھی' یعنی اللہ تعالیٰ نے اس طرح اس کی عزت افزائی فرمائی۔ پھر اسی لڑکے کو بادشاہ نے قتل کرنے کی متعدد کوششیں کیں لیکن کامیاب نہ ہوا۔ اُس نے لڑکے کو اونچے پہاڑ پر سے گرایا' وہ نہ مرا' اس نے سمندر میں پھینکوادیا' وہ صحیح سلامت باہر نکل آیا اور نہ مرا[8]۔ یہ اللہ کی طرف سے اُس نیک' صاحب ایمان لڑکے کی عزت افزائی اور اس کی کرامت تھی۔

(۳) ہزاروں علماء نے اولیاء کرام کی بے شمار کرامات دیکھی اور روایت کی ہیں۔ مثلاً روایت ہے کہ فرشتے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو سلام کہا کرتے تھے۔ حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہما ایک برتن میں کھانا کھا رہے تھے تو برتن نے اللہ کی تسبیح بیان کرنا شروع کردی اور کھانے سے بھی تسبیح کی آواز آنے لگی۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ مکہ میں مشرکوں کی قید میں تھے تو ان کے پاس انگور آجاتے تھے اور وہ کھالیتے تھے' حالانکہ مکہ میں اُس وقت انگور موجود نہیں تھے۔ حضرت برّاء بن عازب رضی اللہ عنہ جب اللہ تعالیٰ سے قسم دے کر کوئی دعا کرتے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمالیتے تھے۔ جنگِ قادسیہ میں انہوں نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مشرکوں پر مسلمانوں کو قابو بخشے اور جنگ میں سب سے پہلے وہ شہید ہوں' چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجدِ نبوی میں منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر خطبہ ارشاد فرمارہے تھے' اچانک ان کے منہ سے نکلا یَا سَارِیَةُ الْجَبَلَ (اے ساریہ! پہاڑ کی طرف ہو جاؤ)' حضرت ساریہ اُس وقت میدانِ جنگ میں مسلمانوں کی کمان کر رہے تھے' انہوں نے یہ آواز سن لی اور حضرت عمرؓ کی اس ہدایت پر عمل کیا' چنانچہ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور مشرکین شکست سے دوچار ہوئے۔ جب ساریہ واپس آئے تو انہوں نے حضرت عمر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز ہم نے وہاں سنی تھی۔ حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ ان الفاظ کے ساتھ دعا کیا کرتے تھے: یَا عَلِیْمُ یَا حَکِیْمُ یَا عَلِیُّ یَا عَظِیْمُ اور ان کی دعا قبول ہو جاتی تھی' حتیٰ کہ ایک بار ایسا ہوا ہے کہ وہ اپنے فوجی دستے سمیت

دریا میں گھس گئے تو ان کے گھوڑوں کی کاٹھیاں بھی گیلی نہ ہوئیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو بد دعا دی تو وہ فوراً گر کر مر گیا۔ نخع قبیلہ کے ایک بزرگ کا گدھا سفر کے دوران راستے میں مر گیا' انہوں نے وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے گدھا زندہ کر دیا اور وہ صاحب اس گدھے پر سامان لاد کر روانہ ہو گئے۔ اس کے علاوہ بھی بے شمار کرامتیں ہیں جن کو ہزاروں بلکہ لاکھوں افراد نے دیکھا ہے۔(۹)

حواشی

(۱) تحدی اور چیلنج کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کوئی رسول یوں کہے کہ: اگر میں فلاں نشانی دکھادوں تو کیا تم مجھ پر ایمان لے آؤ گے؟ اگر تم معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاؤ گے تو اللہ تم پر عذاب نازل کر دے گا۔

(۲) متفق علیہ۔ صحیح مسلم' کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار' باب فضل الذکر والدعاء والتقرب الی اللّٰہ۔

(۳) متفق علیہ۔ صحیح البخاری' کتاب التفسیر' سورۃ المائدۃ' باب قولہ والجروح قصاص اور دیگر ابواب۔ صحیح مسلم' کتاب القسامۃ' باب اثبات القصاص فی الاسنان ومافی معناھا۔ بخاری اور مسلم کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں "اللہ کے بندوں میں سے کوئی شخص ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر وہ اللہ کے متعلق قسم کھالے تو اللہ اس کی قسم پوری کر دیتا ہے"۔

(۴) متفق علیہ۔ صحیح البخاری' کتاب فضائل الصحابۃ' باب مناقب عمر۔ صحیح مسلم' کتاب فضائل الصحابۃ' باب مناقب عمر۔

(۵) متفق علیہ۔ صحیح مسلم' کتاب البر والصلۃ' باب تقدیم بر الوالدین علی التطوع بالصلاۃ وغیرھا۔

(۶) صحیح مسلم' کتاب البر والصلۃ' باب تقدیم بر الوالدین علی التطوع بالصلاۃ وغیرھا۔

(۷) متفق علیہ۔ حوالہ پہلے گزر چکا۔

(۸) متفق علیہ۔ صحیح مسلم' کتاب الزھد' باب قصۃ اصحاب الاخدود والساحر والراھب والغلام

(۹) مذکورہ بالا کرامات میں سے اکثر صحاح ستہ اور دیگر کتب سنن و آثار میں منقول ہیں۔

خاندانی منصوبہ بندی اور ضبطِ ولادت

تحریر: انجینئر شاہد حفیظ چوہدری

جدید دور میں اسلام کو خود ساختہ جدّت پسند دین بنانے اور فاسق نظریات کو دین کا حصہ قرار دینے کے لئے یہودیوں کی سرپرستی میں الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے ایک گھناؤنی سازش ایک عرصہ سے ہو رہی ہے۔ اس مہم کو اتنی مہارت کے ساتھ چلایا جا رہا ہے کہ ایک تیر سے کئی شکار ہو رہے ہیں۔ اولاً اس کا مقصد مسلمانوں کے ایمانِ کامل یعنی اللہ تعالیٰ سے یقین ختم کر کے ایک بندۂ مومن کو اسباب کا محتاج بنا کر خاندانی منصوبہ بندی کے نام کے ذریعے ہلکے زہر کے طرز پر نسل کُشی و فحاشی کو عام کرنا اور بدکاری کے محفوظ طریقے متعارف کرا کے خاندانی نظام کو ختم کرنا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تو پاکستان ٹیلی ویژن نے حد کر دی کہ اس بے ہودہ نظریے کو قرآن مجید کی سند دینے کے لئے سورۃ البقرہ کی آخری آیات کے ایک حصہ:

''اے اللہ ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کو ہم اٹھانے کی اہلیت نہیں رکھتے!''

کو انتہائی شرمناک انداز میں دلیل کے طور پر پیش کیا۔ یعنی اولاد کو بوجھ قرار دینے کی کوشش کی گئی۔ الحمد للہ چند غیرت مند افراد اور دینی تنظیموں کی مزاحمت اور احتجاج کے بعد اسے بند کر دیا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کے نام پر ضبط ولادت کے طریقے سکھا کر بدکاری اور قحبہ گری کے راستے کھولے جا رہے ہیں۔ یورپ اور امریکہ وغیرہ میں اس مہم کے منفی اثرات کے بارے میں ہم پڑھتے اور سنتے رہتے ہیں۔

گزشتہ پندرہ سالوں میں اس مہم کی تشہیر پر آئی ایم ایف اور مغربی ممالک کی سرپرستی میں جس قدر قرض کا سرمایہ ضائع کیا گیا اگر اس سرمائے کو اقتصادی اور معاشی ترقی پر خرچ کیا جاتا تو لاکھوں افراد کو باعزت اور مستقل روزگار فراہم کیا جا سکتا تھا۔

ابتداء ہی سے ہمیں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ ایک اسلامی معاشرے نے کس طرح اس

ملحدانہ نظام اور مہم کو قبول کیا اور کسی نے بھی اس مہم کی مزاحمت نہیں کی اور اس کے خلاف کسی قسم کی تحریک شروع نہ کی۔ میں سمجھتا ہوں کہ کسی نظام کی داخلی کمزوری بذات خود خارجی ماحول کو اثر انداز ہونے کا موقع فراہم کرتی ہے۔ بیسویں صدی میں اُمتِ مسلمہ ایک شکست خوردہ قوم کی طرح سامنے آئی۔ ایک عرصہ انگریز‘ فرانسیسی اور اطالوی اقوام کی غلامی کے بعد ان کی تہذیب کا غلبہ اور تسلط ہمارے اوپر قائم رہا۔ مسلمانوں کے لئے یہ ایک نیا تجربہ تھا اور کوئی بھی اس غیر متوقع صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے شعوری طور پر تیار نہیں تھا۔

اس دوران جتنے بھی ادارے قائم کئے گئے ان سب کی نشو و نما مغرب کی لادینی فضا میں ہوئی اور ہو رہی ہے۔ تمام فوجی‘ معاشرتی‘ معاشی‘ تعلیمی اور ثقافتی ادارے جو اسلامی مملکت اور تہذیب کے ستون ہوتے ہیں یا تو گرا دیئے گئے یا وہاں خالص دینی عناصر اور نظریات کی بجائے مغربی عناصر اور نظریات نے لے لی۔

جہاں اس کمزوری اور محکومی نے اُمتِ مُسلمہ کے اہلِ فکر عناصر میں پریشانی کی کیفیت پیدا کر دی وہاں حکمرانوں‘ جاگیرداروں اور سرمایہ دار طبقہ نے مصلحت کوشی اور صلح جوئی کے ذریعے انگریز آقاؤں کے طریقے کو اپنانا شروع کر دیا۔ چنانچہ مصطفیٰ کمال پاشا‘ رضا شاہ پہلوی‘ جمال عبدالناصر‘ سرسید احمد خان‘ عبدالعزیز بن سعود اور بنی صدر جیسی شخصیات عالمِ اسلام میں پیدا ہوئیں۔ یہی طبقہ ہے جو تقریباً ایک صدی سے مسلمانوں پر حکمرانی کر رہا ہے اور اسلام کے پاکیزہ جسم میں مغربیت کے نفوذ کا ذریعہ بنا ہوا ہے۔ یہ لوگ آج بھی اپنی بقا کے لئے مغرب اور امریکہ کی بیساکھی کا سہارا لیتے ہیں۔ یاسر عرفات‘ عبداللہ الحسین‘ بلند ایجوت‘ بے نظیر اور شاہ فہد اس کی زندہ مثالیں ہیں۔ ہمارے ہاں کوئی بھی حکومت ہو‘ ہمارا طرزِ عمل تو یہ ہے کہ کسی بھی معاملہ میں مغربی آقاؤں کے حکم کے مطابق صدارتی آرڈیننس کے ذریعے یا کسی بھی نام نہاد قانونی طریقے کو اپنا کر عمل کر دیا جاتا ہے‘ مگر خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں تو ہم نے اخلاقیات کے تمام اصولوں کو پامال کر دیا اور قرآن مجید کو اس ناپاک مہم میں ضامن بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

”جس نے بغیر علم کے قرآن کو ضامن بنایا اس نے اپنے لئے جہنم خریدی“۔

ہم اپنی نسل کا مستقبل تباہ کرنے کے ساتھ ساتھ نہ صرف پروردگارِ عالم کے غضب کو

دعوت دے رہے ہیں بلکہ اپنی آخرت اور ابدی زندگی کو بھی تباہ و برباد کر رہے ہیں۔اس لئے میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اس ناپاک مہم کے خلاف قرآن اور احادیث کی روشنی میں چند گزارشات آپ کے سامنے پیش کروں۔ ہمیں سب سے پہلے یہ غور کرنا ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کیا ہے اور ضبط ولادت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اگر شرعاً جائز ہے تو اس پر کن کن صورتوں میں عمل کیا جا سکتا ہے؟ عقلاً بھی اس پر عمل کرنا چاہیئے یا نہیں؟ جن ممالک اور اقوام نے اس پر عمل کیا' اس کے ان کے معاشرے پر کیا اثرات مرتب ہوئے۔

خاندانی منصوبہ بندی

خاندانی منصوبہ بندی کیا ہے؟ میرے علم میں نہیں کہ اس ادارے کی تشکیل کے وقت حکومت پاکستان کے کیا مقاصد اور اہداف تھے' مگر یہ بات حقیقت ہے کہ اس ادارے کا مقصد ہرگز یہ نہ تھا جو آج ذرائع ابلاغ کے ذریعے سامنے آیا ہے۔ منطقی لحاظ سے اس ادارے کا مقصد لوگوں کی انفرادی سطح پر صحت اور تعلیم کے معاملہ میں تربیت کرنا ہونا چاہیئے تاکہ ہر فرد اپنے کنبے کے وسائل اور صلاحیتوں کے مطابق مخصوص حالات میں اپنے مسائل کی نسبت سے منصوبہ بندی کرے' جس کے نتیجے میں ایک صحت مند اور اعلیٰ اخلاق پر مبنی خاندان اور معاشرہ تشکیل پائے۔

اسلامی فلاحی مملکت میں تمام ادارے قرآن وسنت کی احکامات کی روشنی میں ہی تشکیل کئے جاتے ہیں۔ کسی انگریز مفکر کا قول ہے:

> ''جو شخص اجتماعی وعملی زندگی میں قدم رکھتے وقت دین کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے وہ اس احمق کی طرح ہے جو کانٹوں پر چلنے سے پہلے اپنے جوتے اتار دے۔''

اگر ہم قرآن مجید اور احادیث کا بغور مطالعہ کریں تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اسلام واحد دین ہے جس نے خاندانی منصوبہ بندی کا ایک جامع پروگرام اور طریقہ کار پیش کیا ہے جو عقلی اور منطقی لحاظ سے فطرت کے عین مطابق ہے۔

ضبط ولادت کی عقلی اور منطقی حیثیت

رب العزت نے انسان کو عقل سلیم دے کر دنیا میں بھیجا اور ہر انسان میں فطری طور پر

کچھ چیزیں ودیعت کیں جن کی وجہ سے انسان عقل مند کہلایا اور اس عقل و منطق کی مزید رہنمائی انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے احکاماتِ الٰہیہ کی صورت میں کی گئی۔ضبطِ ولادت کو ہر دور میں بھوک وافلاس کے خطرے کی وجہ سے ضروری سمجھا گیا۔حضور ﷺ کے زمانے میں بھی عرب کے جاہل فقر وافلاس کے خوف کی وجہ سے اپنی اولاد کو ختم کر دیتے تھے' مگر پروردگارِ عالم نے قرآن پاک میں متعدد مقامات پر فرمایا کہ جتنی جانیں اللہ تعالیٰ اس عالم میں پیدا فرماتے ہیں ان کے رزق اور ضروریات زندگی کا انتظام اور بندوبست رب العزت پہلے سے ہی کر دیتے ہیں۔قرآن حکیم کی چند آیات آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں تاکہ بات بہتر طریقے سے سمجھ آ جائے۔سورۃ الحجر آیات ۱۹ تا ۲۳ میں فرمایا:

﴿وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ٥ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ٥ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ٥ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ٥ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ٥﴾

''ہم نے زمین کو پھیلایا' اس میں پہاڑ جمائے اور ہر نوع کے نباتات نپی تلی مقدار کے ساتھ اگائے۔اور اس میں معیشت کے اسباب فراہم کئے' تمہارے لئے بھی اور ان بہت سی مخلوقات کے لئے بھی جن کے رازق تم نہیں ہو۔کوئی ایسی چیز نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں' اور جس چیز کو بھی ہم نازل کرتے ہیں ایک مقرر مقدار میں نازل کرتے ہیں۔بارآور ہواؤں کو ہم ہی بھیجتے ہیں' پھر آسمان سے پانی برساتے ہیں اور اس پانی سے تمہیں سیراب کرتے ہیں۔اس دولت کے خزانہ دار تم نہیں ہو۔زندگی اور موت ہم دیتے ہیں' اور ہم ہی سب کے وارث ہونے والے ہیں۔''

سورۂ ہود آیت ۶ میں فرمایا:

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۭ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ٥﴾

''زمین میں چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو اور جس کے متعلق وہ نہ جانتا ہو کہ کہاں وہ رہتا ہے اور کہاں سونپا جاتا ہے۔ سب کچھ ایک صاف دفتر میں درج ہے۔''

سورۃ الرعد آیت ۲۶ میں فرمایا:

﴿اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ﴾

''اللہ جس کو چاہتا ہے رزق کی فراخی بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا رزق دیتا ہے۔''

سورۃ العنکبوت آیات ۶۰ تا ۶۲ میں فرمایا:

﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ٥ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ٥ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾

''کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے' اللہ ان کو رزق دیتا ہے اور تمہارا رازق بھی وہی ہے۔ وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ اگر تم ان لوگوں سے پوچھو کہ زمین اور آسمانوں کو کس نے پیدا کیا اور چاند اور سورج کو کس نے مسخر کر رکھا ہے تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے' پھر یہ کدھر سے دھوکہ کھا رہے ہیں؟ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں میں سے جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کرتا ہے' یقیناً اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔''

سورۃ الروم آیت نمبر ۳۹ تا ۴۰ میں فرمایا:

﴿وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۠ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ٥ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۗ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۗ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ٥﴾

''جو سود تم دیتے ہو تا کہ لوگوں کے اموال میں شامل ہو کر بڑھ جائے اللہ کے نزدیک وہ نہیں بڑھتا' اور جو زکوٰۃ تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے ارادے سے دیتے ہو اسی کے دینے والے درحقیقت اپنا مال بڑھاتے ہیں۔ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا' پھر تمہیں رزق دیتا ہے' پھر وہ تمہیں موت دیتا ہے' پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو ان میں سے کوئی کام بھی کرتا ہو؟ پاک ہے وہ اور بہت بالا و برتر ہے اس شرک سے جو یہ کر رہے ہیں۔''

ان آیات کی روشنی میں قرآن کریم پر ایمان رکھنے والوں کو یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ ربّ العزّت نے اس دنیا کو بغیر سوچے سمجھے پیدا نہیں کیا کہ ان کے لئے دوسروں کو رزق کا بندوبست کرنا پڑے (معاذ اللہ) اور ربّ العالمین کو خبر ہی نہیں ہے کہ مخلوق بڑھتی جا رہی ہے اور دنیا کے اسباب و اشیاء محدود ہیں اور ان وسائل سے ان کی ضروریات پوری نہیں ہو سکتیں۔ جبکہ واقعہ یہ ہے کہ اس علیم و حکیم ذات نے ہر مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ان کے لئے ضروریاتِ زندگی کا پہلے سے ہی انتظام کر رکھا ہے۔ ہر جاندار کے وجود میں آتے ہی وہ ماں کے پیٹ میں پرورش اور نشوونما کا انتظام کرتا ہے اور پھر پیدائش کے فوراً بعد ماں کی چھاتیوں میں دودھ کی شکل میں غذا پیدا کو دیتا ہے اور رفتہ رفتہ معدے کی طاقت کی نسبت سے ربّ العزت اس کی غذا بدلتے رہتے ہیں۔ یہ قانون صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ یہ قانون دنیا کی ہر مخلوق کے لئے ہے۔ زمانے اور حالات کی نسبت سے جس نعمت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے پروردگار اس کی پیداوار بڑھا دیتے ہیں۔ بارہویں صدی ہجری تک پٹرول کی کوئی ضرورت نہیں تھی تو نہ انسان نے اس کے ذخائر دریافت کئے تھے اور نہ ہی اس کی پیداوار کی کوئی ضرورت تھی۔ آج جدید دور کا دارومدار پٹرول اور پٹرولیم کی مصنوعات پر ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین نے بھی اس کے خزانے اگل دیئے ہیں۔

اسی طرح آبادی میں جس طرح اضافہ ہو رہا ہے حوادث اور اموات کی شرح بھی اسی تیزی سے بڑھ گئی ہے' بلکہ موت اور حوادث کا نظام ربّ العزت نے اس طرح بنایا ہے کہ زمین کے حصے خود بخود خالی ہو کر دوسروں کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم پچھلی جنگوں

میں ہلاک ہونے والوں کا موازنہ دوسری جنگ عظیم کی اموات کے ساتھ کریں تو شاید اس جنگ میں اموات پچھلی تمام جنگوں کی اموات کے برابر ہوں گی۔ آج ہوائی جہاز کے ایک حادثے میں سینکڑوں افراد ابدی نیند سو جاتے ہیں۔ یہی سلسلہ ناگہانی آفات' زلزلہ' طوفان' سیلاب و وبائی امراض کا ہے' جن میں ایک صدی قبل آج کی نسبت جانی نقصان نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس طرح ربّ العزّت نے زمین کو وسعت دی ہے۔ بیسویں صدی تک زمین کا بہت تھوڑا حصہ قابل کاشت تھا۔ زیادہ تر زمین پہاڑ' جنگلات اور وسیع میدانوں کی وجہ سے قابلِ کاشت نہ تھی مگر آج آبادی بڑھنے کے ساتھ جہاں نئی بستیاں اور شہر آباد ہوئے وہاں کئی گنا زیادہ رقبہ بھی کاشت کاری کے قابل بنالیا گیا ہے۔ آبپاشی کے مصنوعی نظام سے زمین کی پیداواری صلاحیت بھی بڑھ گئی ہے۔ ابھی بھی زمین میں اتنی وسعت موجود ہے کہ کئی گنا زیادہ لوگ آباد ہو سکتے ہیں اور اپنی ضروریات کے مطابق غلہ اور اناج پیدا کرنے کے لئے وسیع بنجر زمین کو زیر کاشت لا سکتے ہیں۔

پیداوار کے اعداد و شمار نے مجھے اس وقت حیران کر دیا کہ پاکستان سمیت پوری دنیا میں فی ایکڑ پیداوار چھ گنا تک بڑھ گئی ہے۔ اس میں جدید کاشتکاری کے طریقوں اور مصنوعی کھاد کا بہت بڑا عمل دخل ہے' مگر یہ سب کچھ اللہ رب العزت کی حکمت اور اس کی رزاقی کا ٹھوس ثبوت ہے۔ رب العزت تمام مخلوقات کے خالق ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ جس کو پیدا کر رہا ہوں وہ کیا کھائے گا' کہاں رہے گا اور کب مرے گا۔

۲۰۰۰ء میں حکومت پاکستان نے گندم کی قیمت ۲۶۰ روپے فی من سے بڑھا کر ۳۰۰ روپے فی من کی۔ پاکستان کے کسانوں نے محنت کی تو حیران کن پیداوار ہوئی جو ایک ریکارڈ ہے۔ پروردگار کے فضل و کرم سے جس زمین کی پیداوار ۲۰ تا ۲۵ من فی ایکڑ تھی اس زمین سے ۶۰ سے ۷۰ من فی ایکڑ تک پیداوار ہوئی۔ محتاط اندازے کے مطابق اس سال گندم کی پیداوار ۱۹۹۹ء کی نسبت دوگنا سے بھی زیادہ رہی۔ آج ہمارا ملک تاریخ میں پہلی مرتبہ گندم برآمد کر رہا ہے۔

انسان کی انتظامی اور انصرامی مشینری کی صرف اتنی ذمہ داری ہے کہ وہ ممکن اسباب کی حد تک زمین کی پیداوار بڑھانے کی کوشش کرے' اناج اور غلہ کو ضائع ہونے سے بچائے اور

عدل وقسط کے ساتھ اس کی تقسیم کرے تو دنیا میں کسی طرح بھی معاشی بدحالی آ ہی نہیں سکتی۔ مگر ہو یہ رہا ہے کہ انسان نے اپنا کام چھوڑ دیا ہے اور ربّ العزت کے احکامات میں مداخلت کرنا شروع کر دی ہے جس کی وجہ سے موجودہ دنیا کی ساری کی ساری کوشش انسان کو امن وسکون اور عافیت واطمینان دلانے میں قطعاً ناکام ہو گئی ہے۔ ضبطِ ولادت کو ایک قومی فرض قرار دینا اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے یہ ثابت کرنا کہ دنیا کی فلاح وبقا کا انحصار ضبط ولادت میں ہے' نظامِ ربوبیت میں مداخلت کے مترادف ہے' جو انسان کو بالعموم اور مسلمانوں کو بالخصوص زیب نہیں دیتا۔

واضح ہو کہ عقلی اعتبار سے اس معاملے پر بحث یہیں ختم ہو جانی چاہئے' کیونکہ اسلام ایک ہمہ گیر دین ہے جو فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔ ربّ العزت کے احکامات پر کسی قسم کی بحث کی گنجائش نہیں رہتی۔ اسلام کا چھوٹے سے چھوٹا حکم بھی انسان کے عقلی تقاضے کے عین مطابق ہے' مگر ان لوگوں کے اطمینان کے لئے جو عقل ودلائل پر زیادہ یقین رکھتے ہیں اس بحث کا خالصتاً عقلی میزان کے ساتھ تجزیہ کیا جائے۔

ربّ العزت کی سنت ہے کہ ہمیشہ ضروریات کی مناسبت سے اشیاء ضرورت پیدا ہوتی ہیں' بلکہ جو اشیاء دنیا میں کم پیدا ہوتی ہیں ان کی کھپت بھی کم ہے اور جیسی ضروریات سامنے آتی ہیں ویسے ہی اسباب اور چیزیں دنیا میں پیدا ہوتی رہتی ہیں' یعنی ہر مخلوق کا ہر دور میں اعتدال رہا ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ گھوڑا دنیا کی تیز ترین سواری تھی۔ اس وجہ سے اس کی بہت اہمیت رہی' مگر آج گھوڑے کی جگہ ہوائی جہاز' کار' بس اور ریل گاڑی وغیرہ نے لے لی ہے۔ آج پوری دنیا میں گھوڑوں کی تعداد بہت کم رہ گئی ہے' حالانکہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ آج گھوڑے گلی کوچوں میں کُتّے بِلّیوں کی طرح گھوم رہے ہوتے' مگر آج بھی گھوڑا پہلے کی طرح نایاب جانور ہے۔ اس کی تعداد بڑھنے کی بجائے کم ہو رہی ہے اور قیمتوں میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔

پاکستان اور مسلم ممالک میں گائے کو ذبح کرنے پر کوئی پابندی نہیں' ہر روز لاکھوں گائیں ذبح ہوتی ہیں' مگر بھارت پاکستان سے کئی گنا بڑا ملک ہے اور ایک عرصہ سے گائے ذبح کرنا وہاں قانوناً جرم ہے' لہٰذا کئی لاکھ گائیں بھارت میں روزانہ ذبح ہونے سے بچ جاتی

ہیں۔ بھارت میں گائیوں کی تعداد اس کی آبادی سے زیادہ ہونی چاہئے اور اسے بہت سستا ہونا چاہئے۔ دوسری طرف پاکستان میں اس جانور کو ناپید ہونا چاہئے، مگر حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ ہر مخلوق ربّ العزت کے حکم سے ایک نپی تلی مقدار میں رہتی ہے۔ دنیا میں بہت سی ایسی مخلوقات ہیں جو بہت تیزی سے اپنی نسل بڑھاتی ہیں، مثلاً سٹار مچھلی ایک دن میں بیس کروڑ انڈے دیتی ہے، اگر ایک مچھلی کی افزائش کا اندازہ کریں تو چوتھی پشت تک دنیا کے تمام سمندر سٹار مچھلی سے بھر جائیں۔ مگر پیدائش اور اموات کے تناسب سے سٹار مچھلی کی تعداد اپنی مقررہ حدود سے آگے نہیں بڑھتی اور یہی حکمت اور تناسب انسانوں اور تمام مخلوقات کے لئے پروردگار عالم نے مقرر کئے ہیں۔

ضبطِ ولادت کی شرعی حیثیت

ضبطِ تولید و ولادت کوئی نیا مسئلہ نہیں بلکہ ہر زمانے اور ہر ملک میں مختلف صورتوں میں اور مختلف ضرورتوں کے تحت زیرِ بحث آتا رہا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے عہد اور زمانہ نزول قرآن میں بھی یہ مختلف صورتوں میں مختلف اسباب و اغراض کے ماتحت زیرِ بحث رہا۔

قرآن و سنت پر غور کرنے سے اس مسئلہ کی دو صورتیں سامنے آتی ہیں۔ ایک مانع حمل، یعنی اولاد پیدا کرنے کی قابلیت رکھتے ہوئے کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس سے حمل نہ ہونے پائے۔ دوسرا قطع نسل، یعنی ایسی صورت اختیار کرنا جس سے حمل نہ ہونے پائے اور انسان دائمی طور پر اولاد پیدا کرنے کے قابل بھی نہ رہے۔ ان معاملات کے متعلق حضور اکرم ﷺ کے سامنے سوالات پیش ہوئے اور آپ نے ان کے جوابات دیئے۔ انہی جوابات کی روشنی میں ہم یہ طے کریں گے کہ اس مسئلے کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ اگر دونوں طریقے عقلاً اور شرعاً جائز ہیں تو کیا کسی قوم نے ان کو اپنایا ہے؟ اور اگر اپنایا ہے تو اس کے فوائد و ثمرات اور نقصانات کا آپس میں موازنہ کیا جانا چاہئے۔

قطع نسل

پرانے زمانے میں اس کی معروف صورت اختصاء تھی، یعنی قوتِ مَردی ختم کر دینا۔ آج

کے جدید سائنسی دور میں اس کے لئے نس بندی وغیرہ کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے یعنی تمام جسمانی قوتوں کو برقرار رکھتے ہوئے مرد یا عورت دائمی طور پر اولاد پیدا کرنے کی قابل نہ رہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا قول نقل ہوا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کیا کرتے تھے' جوانی کے تقاضے سے جنسی خواہش ہمیں پریشان کرتی تھی' اس لئے ہم نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ ہمیں اختصاء کی اجازت مرحمت فرمائیں تاکہ اس سے آزاد ہو کر جہاد کے کام میں مشغول رہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں منع فرمایا اور اس فعل کے حرام ہونے کے متعلق قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ (المائدہ: ۸۷)

''اے ایمان والو! تم اللہ کی ان پاکیزہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام نہ کرو جو اس نے تمہارے لئے حلال قرار دی ہیں اور حد سے تجاوز نہ کرو' کیونکہ اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

حضرت ابو ہریرہ ؓ نے اپنے افلاس اور فقر کی وجہ سے آنحضرت ﷺ سے اختصاء کی اجازت طلب کی' کیونکہ آپ کے پاس شادی کرنے اور زوجہ کے حقوق ادا کرنے کے لئے کچھ بھی نہ تھا اور آپ یہ چاہتے تھے کہ جنسی خواہش کی وجہ سے آپ گناہ میں مبتلا ہو نہ جائیں تو حضور اکرم ﷺ نے آپ کو بھی سختی سے منع فرمایا۔ اسی طرح کی اجازت حضرت عثمان بن مظعون ؓ نے اس بنا پر مانگی کہ آپ کی تمنا تھی کہ ہر قسم کی جنسی خواہش کو ختم کر کے آپ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ذکر میں مشغول رہیں۔ آپ کو حضور اکرم ﷺ نے سختی سے منع فرمایا اور بکثرت روزے رکھنے کی تلقین فرمائی۔

علامہ بدرالدّین عینی نے شرح صحیح بخاری میں فرمایا کہ قطع نسل کا عمل بالاتفاق حرام مطلق ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے بھی اختصاء کی اجازت نہیں دی۔ چاہے کوئی بھی صورت اور ضرورت ہو' اس میں دنیاوی لحاظ سے کتنے ہی فائدے کیوں نہ ہوں' جنسی خواہش کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنا اور مرد یا عورت کا تولید کے قابل نہ رہنا مطلقاً حرام و ناجائز ہے۔ ایسا عمل تحریم

حلال اور حدود اللہ سے تجاوز کے زمرے میں آتا ہے۔

مانع حمل

اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں، مگر عہدِ نبوی ﷺ میں ''عزل'' کا طریقہ معروف تھا، یعنی کوئی بھی طریقہ استعمال کیا جائے جس سے مادۂ تولید عورت کے رحم میں نہ پہنچ سکے۔ آج کے سائنسی دور میں بھی یہ طریقے قدیم زمانہ کی طرح معروف ہیں، جس میں مرد کوئی ایسی صورت اختیار کرے کہ مادہ تولید رحم میں نہ پہنچے یا عورت رحم کے منہ کو بند کرنے کا کوئی طریقہ اختیار کرے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مخصوص اشکال اور ضرورتوں کے تحت ایسا کرنا منقول ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے نہ تو اسے پسند فرمایا اور نہ ہی صاف طور پر اس عمل سے منع فرمایا۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے اسے مطلقاً ناجائز اور بعض نے اس عمل کو ناپسندیدہ قرار دیا، مگر انفرادی طور پر خاص ضرورتوں کے تحت جائز قرار دیا، بشرطیکہ اس میں کوئی غرض فاسد نہ ہو۔ ایسی صورت میں یہ ناجائز ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ہم نے اپنی کنیزوں سے عزل کرنا چاہا تاکہ گھر کے دوسرے کاموں میں حرج نہ ہو مگر ایسا کرنے سے پہلے حضور اکرم ﷺ کی اجازت ضروری جانا۔ آپؐ سے سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: ''اگر تم ایسا نہ کرو تو اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ اگر کوئی جان پیدا ہونے والی ہے تو ضرور ہو کر رہے گی۔''

ایک اور روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''ہر نطفہ سے تو بچہ پیدا نہیں ہوتا اور جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو کوئی طاقت اسے نہیں روک سکتی۔''

ایک اور روایت حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ سے اسی قسم کا سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا: ''تمہارا دل چاہتا ہے تو عزل کرلو، مگر یہ یاد رکھو کہ جو بچہ اس کے بطن سے پیدا ہونا تقدیر الٰہی میں لکھا گیا ہے وہ ضرور پیدا ہو گا۔''

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ میں اپنی بیوی سے عزل کرتا ہوں۔ آپؐ نے ایسا کرنے کی وجہ پوچھی تو اس شخص

نے جواب دیا: میرا چھوٹا بچہ ہے' وہ اسے دودھ پلاتی ہے' اگر حاملہ ہوگئی تو اس کا دودھ بچے کے لئے مضر ہو جائے گا۔ آپؐ نے فرمایا: ''اہلِ فارس اور اہلِ روم ایسا کرتے ہیں مگران کے بچّوں کو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔''

اور بہت سی احادیث اس ضمن میں مختلف الفاظ میں مختلف صحابہ سے مروی ہیں' مگران کا حاصل یہ ہے کہ عزل کے عمل کو حضور اکرم ﷺ نے پسند بھی نہیں فرمایا اور صاف الفاظ میں اس کی ممانعت بھی نہیں کی اور نہ ہی اس عمل کی حوصلہ افزائی کی۔

دوسرا اہم نقطہ اس میں یہ ہے کہ مندرجہ بالا واقعات نزول قرآن کے زمانے کے ہیں۔ اگر یہ عمل ناجائز ہوتا تو قرآن حکیم کی کوئی آیت اس کی حرمت میں نازل ہو جاتی۔ حاصل بحث یہ ہوا کہ عزل کا عمل جائز تو ہے مگر ناپسندیدہ ہے۔ جس طرح طلاق جائز اور حلال ہے مگر ناپسندیدہ اور مکروہ ہے' کوئی بھی انسان اپنی منفرد حیثیت میں عمل کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس انداز میں اس عمل کی تشہیر کی جارہی ہے اور اس کو معاشرتی مسئلہ بنا کر اجتماعیت کی شکل دی جارہی ہے کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟ اور وہ کون سے انفرادی عوامل اور عذر ہیں جن کی وجہ سے عزل کا عمل جائز ہے یا کوئی شخص بلا کراہت اس پر عمل کرسکتا ہے؟ واضح رہے کہ عذر رفع ہو جانے کے بعد یہ عمل انفرادی طور پر بھی درست نہیں رہے گا۔

مندرجہ ذیل مجبوریوں میں یہ کراہت باقی نہ رہے گی' بلکہ بعض عذر ایسے ہیں کہ ان میں تو ضبط ولادت واجب کی صورت اختیار کر جاتا ہے اور یہ عمل بلا کراہت جائز ہوگا۔

ا) عورت اتنی کمزور ہے کہ بارحمل اٹھا نہیں سکتی۔

ب) صحت وتندرستی اور تعلیم وتربیت کے نقطہ نظر سے مناسب وقفہ ضروری ہے۔

ج) شیرخوار بچے کی صحت کی وجہ سے تاکہ والدہ دو سال تک دودھ پلاسکے۔

د) زوجین کے باہمی تعلقات کشیدہ ہوں اور علیحدگی کا خطرہ ہو۔

م) کسی موروثی بیماری کی وجہ سے معذور یا بیمار بچے پیدا ہونا میڈیکل نقطہ نظر سے مسلّمہ ہو۔

ضبطِ ولادت کے نقصانات

ضبط تولید خواہ کسی طریقے سے بھی کی جائے بہرحال ایک غیر فطری عمل ہے۔ اس کے معاشرتی 'اخلاقی' جسمانی اور نفسیاتی لحاظ سے بہت نقصانات ہیں۔

معاشرتی نقصانات

مرد اور عورت کے ہر ملاپ کے دوران لاکھوں جراثیم حیات' لاکھوں بیضوی خلیوں سے مل کر حیاتِ انسانی کا سلسلہ شروع کرتے ہیں۔ ہر جراثیم اور خلیہ علیحدہ خصوصیات کا حامل ہوتا ہے۔ ان میں احمق' کند ذہن' بزدل بھی ہوتے ہیں اور ان ہی میں عقل مند' ذہین اور بہادر بھی ہوتے ہیں۔ انسان کے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ مثبت خاصیت رکھنے والے جرثوموں کی پہچان کر سکے اور ان کو ملا کر ایک انسان پیدا کر سکے۔ کیا معلوم ضبطِ ولادت کے ذریعے آپ ایک عظیم مدبر' سپہ سالار' ڈاکٹر' عالم' انجینئر اور سائنسدان کی ولادت روکنے کا ذریعہ بن رہے ہوں اور دوسری طرف فطرت کی مخالفت کی سزا میں غدار' بے وقوف' بزدل اور بے غیرت لوگ پیدا ہوں۔ اگر ہم اس اصول پر غور کریں تو بعینہٖ ہماری کیفیت اور حالت یہی ہے۔ مسلمان ہونے کے باوجود ہم نے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے طریقے پر عمل کیا تو ہمیں قحط الرجال کا سامنا ہے۔ کہنے کو تو ہم چودہ کروڑ ہیں مگر ہم ایسی قیادت اور ماہرین سے محروم ہیں جو کسی بھی قوم کی ترقی کے لئے ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتے ہیں۔

ہم اگر فرانس کی آبادی کا بغور جائزہ لیں تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ وہاں پچھلے پچاس سالوں میں شرح ولادت میں ۴۹.۴ فیصد کمی ہوئی ہے اور اب تو حکومت فرانس شرح ولادت بڑھانے کے لئے مختلف ترغیبات دے رہی ہے۔ واضح رہے کہ اس ترقی یافتہ ملک میں شرح نکاح میں بھی تقریباً ۲۶ فیصد کمی ہوئی ہے۔

ضبطِ ولادت سے عوام میں ایک خودغرضانہ ذہنیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ہر شخص اپنی ذاتی اغراض کے پیش نظر ولادتِ اولاد کا فیصلہ کرتا ہے۔ اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ قوم کس حال میں ہے اور کسی ناگہانی آفت اور جنگ کی وجہ سے قحط الرجال والی صورت پیدا ہو جائے تو قوم کی ضروریات کس طرح پوری ہوں گی؟ آج خاندانی منصوبہ بندی کے نام سے جو فساد برپا کیا جا رہا ہے اس کا نقشہ

قرآن حکیم کی سورۃ البقرۃ کی آیات ۲۰۴ تا ۲۰۵ میں کچھ اس طرح کھینچا گیا ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُکَ قَوْلُهٗ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِیْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِo وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِی الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَo﴾

''انسانوں میں کوئی تو ایسا ہے جس کی باتیں دنیا کی زندگی میں تمہیں بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں اور اپنی نیک نیتی پر وہ بار بار خدا کو گواہ ٹھہراتا ہے' مگر وہ بدترین دشمنِ حق ہے۔ جب اسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو زمین میں اس کی ساری دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے' کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے' اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔''

غور طلب بات یہ ہے کہ کیا ہم ان آیتوں کے مصداق کردار ادا نہیں کر رہے؟ کیا ہماری قیادت حضور اکرم ﷺ کے طریقوں اور پروردگار عالم کے احکامات سے منحرف نہیں ہوئی؟

اخلاقی نقصانات

ضبطِ ولادت کا انسانی اخلاق اور عادات پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم میں سے اکثر لوگ برادری' خاندان اور معاشرے میں بدنامی کے ڈر سے بہت سی اخلاقی برائیوں سے بچے ہوئے ہیں۔ اگر ضبطِ ولادت عام ہو گئی تو ہمارے اخلاق بہت بری طرح متاثر ہوں گے اور شاید کئی نسلوں کی قربانی بھی ہمیں اس اخلاقی پستی سے نہ نکال سکے۔

کثرتِ اولاد یا مناسب خاندان سے مندرجہ ذیل اخلاقی مسائل پر تربیت ہوتی ہے:

۱) بچوں کی تربیت صرف والدین ہی بہتر طریقے سے نہیں کرتے بلکہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی تربیت کرتے ہیں۔ اپنے ہم عمر چھوٹے اور بڑے بھائی اور بہنوں کے ساتھ رہنے اور کھیل کود سے بچوں کے مابین برداشت' محبت' ملنساری اور دوستی کے احساسات اور جذبات پیدا ہوتے ہیں' اور جن بچوں کو ایسا موقع نہیں ملتا ان میں خود غرضی اور مفاد پرستی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے' وہ صلہ رحمی اور برداشت سے عاری ہوتے ہیں' پس اعلیٰ اخلاقی معیار کو حاصل نہیں کر سکتے۔

۲) والدین کے اخلاق و کردار میں بہت سی خصوصیات پیدا کرنے میں اولاد کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔ چنانچہ میں نے سگریٹ نوشی صرف اپنی اولاد کی وجہ سے چھوڑی۔ اور مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ بچوں کی بہتر تعلیم و تربیت کی وجہ سے والدین بہت سی معاشرتی برائیوں سے بچ جاتے ہیں اور ان میں سنجیدگی' اسراف سے اجتناب' کفایت شعاری اور بہت سے اعلیٰ اخلاق جنم لیتے ہیں جو ایک صحت مند معاشرے کے لئے بہت ضروری ہیں۔

۳) ضبط ولادت کے طریقے عام ہونے سے زنا جنگل کی آگ کی طرح تیزی سے پھیلتا ہے اور کسی بھی معاشرے کی اخلاقی پستی کا اندازہ اس معاشرے میں بدکاری اور زنا کی شرح سے لگایا جا سکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جس قدر لذت پرستی اور فحاشی معاشرے میں عام ہو گی اتنا ہی اس قوم اور معاشرے کا اخلاق تباہ ہوگا اور جنسی جرائم میں خطرناک حد تک اضافہ ہو جائے گا۔ آج ہم کم و بیش ایسی ہی صورتحال سے دوچار ہیں۔

طبعی اور نفسیاتی نقصانات

ضبط ولادت سے مرد اور عورت دونوں کی طبعی اور نفسیاتی صحت پر بہت منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ انسانی جسم کو ربّ العزت نے بقائے نوع انسانی کے لئے بنایا ہے۔ طبعی لحاظ سے مرد کے جسم کی بناوٹ اس ترتیب سے ہے کہ اس میں جنسی غدے (Sexual glands) سب سے اہم ہیں۔ یہ غدے مرد کے جسم میں نہ صرف مادہ تولید پیدا کرتے ہیں بلکہ جسم میں ایسے ہارمون پیدا کرتے ہیں جن کا کام جسم پر بال پیدا کرنا' ہڈیوں کو مضبوط بنانا' پٹھوں میں طاقت پیدا کرنا اور جسم کے دوسرے اعضاء میں پختگی پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ عقل و شعور پیدا کرنا ہے۔ جوانی کا دور مرد کی توانائی و تازگی کا دور ہوتا ہے اور وہ توالد و تناسل کے قابل ہوتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس کے اعضاء میں کمزوری آنا شروع ہو جاتی ہے' یہاں تک کہ مرد اس خدمت انسانی کے قابل نہیں رہتا۔ اسی طرح عورت کو بقائے نوع انسانی میں اہم مقام حاصل ہے اور قدرت نے اس کی تخلیق اس طرح کی ہے کہ جب تک یہ اپنی فطری خدمت سرانجام دیتی رہتی ہے طبعی طور پر (Physically) مکمل طور پر فٹ رہتی ہے۔ اور اس کے حسن و جمال اور جوانی میں استحکام رہتا ہے' مگر جیسے ہی اس فطری

نظام میں رکاوٹ ڈالتی ہے تو وہی عورت مختلف بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہے' چہرے کی تازگی ختم ہو جاتی ہے اور عورت نفسیاتی مریض بن جاتی ہے۔ یہی فطری عمل دنیا کی مخلوق (حیوانات و نباتات) پر اسی طرح لاگو ہے جس طرح بنی نوع انسان پر' یعنی نر و مادہ کی پیدائش اور بقاء کا صرف ایک ہی مقصد ہے کہ اولاد پیدا کریں۔ اگر یہ دونوں فطرت کے مقصد کو پورا نہیں کرتے تو انسانی زندگی اور ازدواجی تعلق صرف وقتی لذت حاصل کرنے کے لئے ہوگا جس سے دنیا و فطرت کی کیا خدمت ہو سکے گی؟ بلکہ اس کے نتیجے میں زوجین میں چڑ چڑا پن اور خودغرضی کے ساتھ ساتھ اعصابی اور جسمانی نظام میں نہایت نقصان دہ اثرات مرتب ہوں گے۔

جدید طبیّ تحقیق (میڈیکل ریسرچ) سے مندرجہ ذیل جسمانی اور نفسیاتی نقصانات واضح طور پر ہمارے سامنے آ چکے ہیں:

١) مانع حمل وسائل کے استعمال سے مردوں کے جسمانی نظام میں غصہ' برہمی اور قوتِ برداشت میں کمی پیدا ہوتی ہے۔ مولانا مودودیؒ اپنی کتاب ''اسلام اور ضبطِ ولادت'' میں لکھتے ہیں:

> ''مانع حمل وسائل کے استعمال سے جب مرد کو ازدواجی تعلق میں اپنی خواہشات کی تکمیل حاصل نہ ہوگی تو اس کی عملی زندگی کی مسرتیں غارت ہو جائیں گی اور وہ دوسرے ذرائع سے تسکین حاصل کرے گا جو اس کی صحت برباد کر دیں گے اور ممکن ہے کہ اسے امراضِ خبیثہ میں مبتلا کر دیں۔''

٢) عورتوں میں مانع حمل ادویات اور وسائل کے استعمال سے طبیعت میں چڑ چڑا پن اور بدمزاجی پیدا ہو جاتی ہے۔ جذبات کی تسکین (خاص طور پر ان لوگوں میں جو عزل کا طریقہ استعمال کرتے ہیں) نہ ہونے کی وجہ سے شوہر کے ساتھ تعلقات خراب ہو جاتے ہیں۔

٣) مانع حمل وسائل کے استعمال سے مردوں کی نسبت عورتوں میں بہت سے عوارض پیدا ہوتے ہیں' مثلاً حافظہ کی کمزوری' ہسٹریا اور مختلف نفسیاتی بیماریاں۔ لیکوریا سے تو شاید ہی کوئی خاتون محفوظ ہو۔ عام طور پر رحم میں رسولی اور سرطان جیسے امراض اکثر خواتین میں پائے جاتے ہیں۔

۴) جس خاتون کے ہاں زیادہ عرصے تک بچے کی پیدائش نہ ہو تو اس کے اعضائے تناسل (ڈلیوری سسٹم) میں ایسے تغیرات پیدا ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ تولید کے قابل نہیں رہتی۔ اگر کبھی حاملہ ہو بھی جائے تو وضع حمل تک سخت تکلیف اور اذیت برداشت کرنا پڑتی ہے۔

۵) اعداد و شمار کے مطابق سرطان کے امراض میں مردوں کے مقابلے میں عورتیں زیادہ مبتلا ہیں اور عورتوں میں بھی ۸۰ فیصد تعداد ان خواتین کی ہے جو مانع حمل ادویات یا وسائل استعمال کرتی ہیں۔

گھریلو خاندانی نقصانات

مغربی معاشرے اور کسی حد تک پاکستان میں مانع حمل وسائل کے استعمال کے ساتھ ساتھ استقرارِ حمل سے بے فکر ہونے سے شہوانی جذبات حد اعتدال سے بڑھ گئے ہیں۔ مرد اور عورت کا تعلق صرف خواہشاتِ نفس کی تسکین رہ جائے تو کوئی بھی قوت خاندانی نظام کا شیرازہ بکھرنے سے نہیں روک سکتی۔ اس سے وہ غلاظت اور نجاست معاشرے میں پیدا ہوتی ہے جس کے نقصانات اس سے سوگنا زیادہ ہیں جو کسی معاشرے میں بے حساب بچوں کی پیدائش سے ہو سکتے ہیں۔

بچے ماں باپ کے درمیان محبت کی مضبوطی کا اہم ذریعہ ہیں' بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اولاد بیوی اور خاوند کو آپس میں جوڑنے کے لئے ایلفی یا میجک سٹون کا کام کرتی ہے۔ اگر اولاد کی پیدائش و پرورش مقصود نہ ہو تو میاں بیوی کا تعلق عام جانوروں کے نر اور مادہ سے مختلف نہ ہوگا۔ اولاد نہ ہونے کی صورت میں معمولی تلخی پر بھی ایک دوسرے کو چھوڑ دینا بہت آسان ہوتا ہے' جبکہ اولاد کے لئے زوجین ایک دوسرے کی بڑی سے بڑی کمزوری اور زیادتی کو بھی برداشت کرتے ہیں تا کہ ان کی اولاد بکھرنے سے بچ جائے۔ اولاد جتنی زیادہ ہوگی زن و شوہر کا رشتہ بھی اتنا زیادہ مضبوط ہوگا۔

اگر ہم یورپی معاشرے کا جائزہ لیں تو وہاں کوئی خاندانی نظام نظر نہیں آتا۔ زیادہ تر لوگ شادی کے بکھیڑوں میں نہیں پڑتے۔ اگر کوئی یہ کوتاہی کر ہی لیتا ہے تو نباہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ

طلاق کی شرح خطرناک حد تک بڑھ چکی ہے۔ مرد وعورت کا تعلق جنسی تسکین کے علاوہ کچھ نہیں' اور وہ جانوروں کی طرح ایک دوسرے کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے کینیڈا اور یورپ کے اکثر ممالک میں قحط الرجال کی کیفیت ہے۔ ان کی حکومتیں لوگوں کو مختلف مراعات دے رہی ہیں تا کہ وہ زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ ایشیائی اور افریقی ممالک سے افرادی قوت برآمد کر کے اپنی ضروریات پورا کرنے کا سامان کیا جا رہا ہے۔

ضبطِ ولادت اور معاشی استحکام

ماہرین معاشیات اس امر پر زور دیتے رہے ہیں کہ آبادی میں اضافہ کے حساب سے ذرائع معاش میں اضافہ نہ ہوا تو تمام انسانیت کو معاشی تنگی کے ساتھ ساتھ بھوک' افلاس اور قحط کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ رونا آج کا نہیں بلکہ زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ اپنی اولاد کو اسی وجہ سے قتل کرتے تھے۔ مگر متعدد وسائل اس حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ آج بھی دنیا میں غذائی پیداوار اس سے کہیں زیادہ ہے کہ کرہ ارض پر موجود ہر انسان کا پیٹ بھر سکے۔ اس کے باوجود لاکھوں لوگ غذائی قلت کا شکار ہو کر مر جاتے ہیں۔ دورِ حاضر میں ایتھوپیا' صومالیہ اور روانڈا اس کی زندہ مثالیں ہیں۔ نوبل انعام یافتہ ماہر معاشیات امرتیا سین کا کہنا ہے کہ

> ''آج کے جدید دور میں بھوک کی وجہ غربت و افلاس ہے نہ کہ غذائی قلت۔ ۱۸۴۵۔۴۶ء کے دوران برطانیہ میں پیدا ہونے والی غذائی قلت اور قحط کے دوران صرف ہمسایہ ملک آئرلینڈ سے برآمد ہونے والی خوارک اس قدر وافر مقدار میں موجود تھی کہ ہر شخص کا پیٹ بھر سکے۔ اسی طرح ۱۹۷۴ء میں بنگلہ دیش میں سیلاب کی وجہ سے قحط سالی نے ۱۵ لاکھ افراد کی جان لے لی' مگر اسی سال پوری دنیا کی زرعی پیداوار پچھلے اور آئندہ سالوں کی نسبت زیادہ ہوئی تھی۔ اب تو ورلڈ بنک جیسے ادارے کو بھی یہ کہنا پڑا ہے کہ بھوک کا خاتمہ صرف اور صرف غریب کی قوتِ خرید بڑھانے سے ممکن ہے۔''

ایک تخمینے کے مطابق ۲۰۴۰ء میں دنیا کی آبادی دس بلین ہو جائے گی تو اس وقت دس بلین آبادی کے لئے غذا کہاں سے آئے گی؟ جبکہ آج دنیا کی آبادی صرف چھ بلین ہے اور ماہرین معاشیات و زراعت غذا کی کمی کا رونا رو رہے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ آج بھی کرۂ ارض

پر پیدا ہونے والی غذا کی مقدار دس بلین افراد کی ضروریات کو پورا کر سکتی ہے۔ انسانی غذائی فصلوں کا ۳۰ فیصد حصہ مناسب دیکھ بھال اور گودام کی کمی کے باعث ضائع ہو جاتا ہے اور رہی سہی کسر غذا اور اناج کی غیر منصفانہ تقسیم پورا کر دیتی ہے۔ اس وقت امریکہ' آسٹریلیا اور پورے یورپ میں بعض کاشتکاروں کو غذائی اجناس کاشت نہ کرنے کا حکومت کی طرف سے معاوضہ دیا جاتا ہے تاکہ عالمی منڈی میں رسد و طلب کی وجہ سے قیمتوں میں استحکام رہے اور وہ غریب اقوام کو اپنی مرضی کی شرائط کے مطابق غذائی اجناس فروخت کریں۔ اس کے باوجود امریکہ جیسے ممالک کو اپنی ضروریات سے زیادہ پیدا ہونے والے اجناس کو تلف کرنے کا تردد کرنا پڑتا ہے۔ رہا غریب ممالک کا حال تو ہم نام نہاد ترقی یافتہ ممالک کے اشارے پر اپنی کل قابل کاشت زمین کے کتنے حصہ پر کاشتکاری کرتے ہیں؟ رہی سہی کسر انہی ممالک سے درآمد شدہ بیج پوری کر دیتے ہیں۔ یہ ممالک جدید سائنسی طریقے سے بیجوں میں اپنی مرضی سے ایسے جینز شامل کر دیتے ہیں جن کی وجہ سے مختلف بیماریاں ان فصلوں کو گھیر لیتی ہیں اور مجموعی پیداوار میں کمی سمیت بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں اور غریب ممالک ان کے رحم وکرم پر رہتے ہیں۔

اس بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ معاشی استحکام میں ضبط ولادت سے زیادہ عالمی انصاف کی ضرورت ہے' تاکہ زیادہ سے زیادہ رقبے کو قابل کاشت بنا کر انسان کی بنیادی ضروریات کو پورا کیا جا سکے۔ ترقی پذیر ممالک کے لئے ترقی یافتہ ممالک اور یہودیوں کے ظالمانہ نظام سے نجات حاصل کئے بغیر معاشی استحکام کا خواب کبھی پورا نہ ہو سکے گا۔

اصلاح احوال

خاندانی نظام کی بقا اور بچوں کی مناسب دیکھ بھال اور تربیت کے لئے مناسب وقفہ کی ضرورت سے انکار تو نہیں کیا جا سکتا مگر اس کے ساتھ ذرائع ابلاغ کے بے دریغ استعمال کی اجازت نہیں دی جا سکتی' جس کے استعمال سے ہمارے معاشرے میں برائیوں کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ اگر ہم اپنے معاشرے کا بغور جائزہ لیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ چھوٹے خاندان کے

فلسفے پر پاکستان کے امراء' پڑھے لکھے اور نام نہاد سمجھدار لوگ ہی عمل کر رہے ہیں حالانکہ ان کے پاس اتنے وسائل ہیں کہ یہ لوگ دو سے کئی گنا زیادہ بچوں کی اچھی اور زیادہ بہتر تربیت و پرورش کر کے معاشرے کو مفید افراد دے سکتے ہیں۔ دوسری طرف متوسط اور غریب طبقہ ہے جس کے وسائل تو کم ہیں مگر بچوں کے معاملے میں خود کفیل ہیں اور ذرائع ابلاغ کی یہ تعلیم ان کے ذہنوں کو تبدیل نہیں کر سکی۔

تاہم اس طرح کی تشہیری مہم کے ذریعے ہمارے ذرائع ابلاغ معاشرے کے تمام طبقوں میں بدکاری اور فحاشی کے فروغ کا سبب بن رہے ہیں۔ ہمارے غریب طبقہ کا یہ حال ہے کہ اس نے معاشرے میں مقام بنانے کے لئے ٹی وی' وی سی آر اور ڈش انٹینا ضرور لگانا ہے' خواہ اس کے لئے کتنا ہی مقروض ہو کر اپنی اولاد کے مستقبل کو تاریک کرنا پڑے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ معاشرے کی فلاح و بہبود اسی صورت ممکن ہے کہ آج کے بچے کل کے معمار ہوں نہ کہ تخریب کار۔ ان بچوں کو اچھا شہری بنانے کے لئے اچھی تربیت کی ضرورت ہے۔ اور اس کے لئے تمام ممکن اسباب کو استعمال کیا جائے۔ مگر ایک چھوٹے کمرے کو اپنے قد کے مطابق بنانے کیلئے کیا ہم اپنی ٹانگیں کاٹ لیں گے؟ نہیں' ہم اس کمرے کی چھت کو اونچا کریں گے۔ یہی طریقہ عقل اور دانشمندی کا ثبوت ہے۔

میں سمجھتا ہوں اصلاح احوال کے لئے ضروری ہے کہ ہم ضبطِ ولادت کے متبادل وہ طریقہ استعمال کریں جس سے کسی بھی قسم کے سائیڈ افیکٹ نہ ہوں' ہمارے معاشرے میں صحت مند اور تعمیری افراد پیدا ہوں' اور ہم لوگ ضبط ولادت کے منفی اثرات سے محفوظ رہتے ہوئے وہ اہداف حاصل کر سکیں جن کے لئے یہ سب ڈرامہ رچایا گیا۔

ہم مندرجہ ذیل امور پر غور کریں تو ان شاء اللہ ربّ العزت ہماری مدد فرمائیں گے۔ ایک تو ہم ضبط ولادت کے منفی اثرات سے محفوظ رہیں گے اور دوسرے ہم وہ تمام اہداف حاصل کر لیں گے جو ضبط ولادت کو عام کرنے سے پہلے مقصود تھے:

۱) ہم اپنی معاشرت' رسومات اور رہن سہن کو اسلامی احکامات کے مطابق ڈھال لیں تو ہمیں ضبط ولادت کی ضرورت نہیں رہے گی۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور حقیقی اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے مغربی اقدار کو خیر باد کہنا ہوگا۔

۲) عورت کو ورغلا کر حقوقِ نسواں اور مرد سے برابری کا جھانسہ دے کر اسے اس کے فطری حقوق سے محروم کر دیا گیا ہے' جس سے دنیا میں ایک عجیب ذہنیت پیدا ہوگئی ہے' جس کے تحت عورتوں اور مردوں کے دوش بدوش ہر کام کرنے کا شوق پیدا ہوا ہے اور عورت اپنے فطری کام یعنی گھر کی خدمت اور بچوں کی پرورش سے نفرت کرنے لگی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسی وجہ سے وہ بچوں کے جنجال سے بچ کر رہنا چاہتی ہے' حالانکہ عورت کی اہمیت اور مقام کے بارے میں مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی کتاب ''اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام'' میں لکھا ہے:

''عورت اور مرد دونوں مساوی بھی ہیں لیکن ان کے حدودِ عمل الگ الگ ہیں اور ہمارے معاشرے کا حفظ و بقاء منحصر اس بات پر ہے کہ ہم دونوں کو یکساں عزت و احترام کا مستحق بھی سمجھیں اور دونوں کو الگ الگ بھی رکھیں۔ اگر ہم نے ان میں سے کسی کو حقیر جانا تو سرے سے اس نظام ہی کو درہم برہم کر کے رکھ دیں گے جس کی بقاء قدرت بھی چاہتی ہے اور جس کی بقاء خود ہماری بقاء کے لئے بھی ضروری ہے''۔

۳) ہمیں اپنے معیارِ زندگی کو اس قدر بلند کرنا چاہئے جتنا ہمارے وسائل اجازت دیں۔

۴) فکر و نظر کو وسعت دے کر اس یقین کو پختہ کر لینا چاہئے کہ ربّ العزت رزّاق ہے اور اپنی مخلوق کے لئے ایسے پوشیدہ مقام سے رزق کا انتظام کرتا ہے جہاں پر ہماری عقل و نظر کی رسائی نہیں۔ یہی فکر کا تضاد ہے جس کی وجہ سے ضبطِ ولادت کا فلسفہ اہلِ یورپ نے عام کیا۔

۵) معاشی نظام میں سود' جوئے اور سٹے کو فوری طور پر ختم کر دیا جائے تاکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جاری جنگ ختم ہو اور ساتھ ساتھ سرمایہ کی معاشرے میں مساوی تقسیم ہو سکے تاکہ امیر کا امیر تر اور غریب کا غریب تر ہونے کا عمل ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ یہی قانون غریب اور امیر ملکوں کے درمیان لاگو ہو۔

۶) غیر حاضر زمینداری اور جاگیرداری نظام کے خاتمے کے ساتھ ہی معاشی استحکام اور معاشرتی انصاف پیدا ہو سکتا ہے جس سے اجناس کی منصفانہ تقسیم ہوگی اور کسانوں کا

استحصال کرنے والے زمینداروں اور جاگیرداروں کا قلع قمع ہو سکے گا۔

۷) پاکستان میں قابل کاشت رقبہ کا صرف ۲۵ سے ۳۰ فیصد رقبہ زیر کاشت ہے۔ جدید زرعی سائنس اور آلات کے استعمال سے زیادہ سے زیادہ رقبہ زیر کاشت لایا جاسکتا ہے۔ اور ہم اپنی ضروریات سے کہیں زیادہ اناج کی پیداوار حاصل کر سکتے ہیں۔ ہمارے ہاں دنیا کا بہترین نہری اور آبپاشی کا نظام ہے جس کو مزید بہتر اور مؤثر بنا کر پانی کی منصفانہ تقسیم سے پیداوار میں مزید اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

۸) ہمیں اپنے موجودہ یا دریافت شدہ وسائل کو نہ صرف ترقی دینی ہے بلکہ اگر ہم ان کی حفاظت ہی کرلیں تو ہم مطلوبہ اہداف حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی طرح ہماری تمام پریشانیوں اور خدشات کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔

حاصل بحث

الحمدللہ ضبطِ ولادت کی شرعی حیثیت ہم پر واضح ہو چکی ہے اور اس سے پیدا ہونے والی جسمانی و معاشی اور معاشرتی برائیاں بھی کھل کر سامنے آ گئی ہیں۔ اب ہمارے پاس صرف ایک ہی راستہ ہے کہ ہم اس قبیح مہم کے خلاف آواز بلند کریں' ورنہ مغربی معاشرے کی طرح ہمارے معاشرے میں بھی جنسی بے راہ روی سیلاب کی طرح تباہی پھیلا دے گی۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے پون صدی قبل کہا تھا ؎

اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ

اگر ہم محترم علامہ اقبال کے اس شعر کی گہرائی میں جائیں تو ایک ضخیم مضمون تیار ہو جائے گا۔ مختصراً حقیقت یہ ہے کہ مغربی معاشرے کی بنیادیں سیاست پر قائم ہیں اور سیاست کا اقتصادیات سے بالواسطہ تعلق ہے۔ جس معاشرے کی بنیادیں سیاست اور اس کا محور اقتصادیات ہو اس معاشرے میں مادہ پرستی اور دنیا داری کو اولین ترجیح ہوتی ہے اور وہاں دین و مذہب ثانوی حیثیت اختیار کرتے ہیں۔ انسان شاید انسانی حقوق کے نام پر ظاہراً بہت واویلا کرتا ہو مگر وہ روح کی پکار کبھی نہیں سنتا اور نہ ہی اس کے نزدیک اخروی زندگی کی کوئی

اہمیت ہوتی ہے۔ مگر اُمتِ محمدیہ کی بنیاد و محور دینِ حق ہے۔ اس کی سیاست، اقتصادیات و معاشیات اور معاشرہ قرآن اور اسوۂ رسول ﷺ کے گرد گھومتا ہے، جہاں اخلاقی اقدار اور معاشرہ انسانیت کے عروج پر ہے۔ علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے ۔

مزاجِ مغرب ہے تاجرانہ، مزاجِ مشرق ہے راہبانہ
وہاں دگرگوں ہے لحظہ لحظہ، یہاں بدلتا نہیں زمانہ

ہمیں قرآن کریم کی روشنی اور اسوۂ حسنہ کا اتباع کرتے ہوئے اس قبیح مہم کو نہ صرف ختم کرنا ہے بلکہ اپنے معاشرے کو فحاشی کے اس سیلاب سے بچا کر اپنی آنے والی نسلوں کو دنیاوی تحفظ اور اُخروی زندگی میں ہمیشہ ہمیشہ کی کامیابی حاصل کرنے کے لئے اپنی توانائی کو صحیح سمت میں بروئے کار لانا ہے۔ پروردگارِ عالم ہمیں ہدایت کے ساتھ صراطِ مستقیم پر استقامت عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے بعض ذاتی اور مالی و معاشی کوائف پر مشتمل

حسابِ کم و بیش

کا نیا ایڈیشن جسے update کرنے کی خاطر امیر تنظیم کی چار صفحات پر مشتمل ایک تازہ تحریر "پس نوشت" اور نائب امیر کا تحریر کردہ مختصر "ضمیمہ" کا اضافہ کر دیا گیا ہے، چھپ کر آ گیا ہے اور مکتبہ انجمن سے حاصل کیا جا سکتا ہے

دبیز سفید کاغذ، صفحات 68، عمدہ طباعت، قیمت فی نسخہ/15 روپے

شائع کردہ : مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

دو قومی نظریہ اور علماءِ ہند کا موقف

بھارت سے سید شہاب الدین کا مکتوب اور امیر تنظیم اسلامی کا جواب

(۱)

۲۳/اکتوبر ۲۰۰۰ء

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں نے میثاق (اکتوبر ۲۰۰۰ء) میں آپ کے یکم ستمبر ۲۰۰۰ء کے خطبہ جمعہ کو گہری دلچسپی سے پڑھا ہے۔ میں آپ کے ان خیالات کی تعریف کرتا ہوں جو آپ چوٹی کے علماء جو مطالبہ پاکستان کی مخالفت کرتے ہیں' کے لئے رکھتے ہیں۔ تاہم ایک دو بنیادی نکات ایسے ہیں جہاں مجھے آپ سے اختلاف ہے۔ وہ میں آپ کے سامنے لانا چاہتا ہوں۔

میں انڈیا کی سرزمین پر اسلام کی موجودگی کو ان بادشاہوں کی مرہون منت نہیں سمجھتا جن کے نام مسلمانوں والے تھے اور جو دہلی یا انڈیا میں کہیں بھی حکومت کرتے تھے۔ تاریخ دان اس بارے میں متفق ہیں کہ ریاستی پالیسی کے مطابق ان بادشاہوں نے اسلام پھیلانے میں سوائے چند ایک کے' کچھ بھی کام نہیں کیا۔ اگر کچھ کیا بھی تو اس میں کئی استثناءات بھی شامل تھے۔

انڈیا میں یا کہیں بھی فتوحات اور حکومت کرنے کے مقابلے میں اسلام کے عروج و زوال کی کوئی نہ کوئی منطقی دلیل موجود ہے۔ بلاشبہ خلافت کے خاتمے کے بعد سے اسلام افریقی ممالک میں پھیلنا شروع ہوا۔ مسلمان معاشرہ' مسلمان حکومت اور اسلامی ریاست ایک دوسرے سے بالکل مختلف چیزیں ہیں اور ان کا مطالعہ ان کی اپنی تاریخ کے مطابق کرنا چاہئے۔

میرا خیال ہے یہی وجہ ہے کہ علماء نے یہ محسوس کیا کہ پاکستان بننے سے برصغیر میں اسلام کے پھیلاؤ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ انہیں یہ بھی پتہ تھا کہ پاکستان ایک اور مسلمان ملک تو ہو گا لیکن یہ ایک اسلامی ریاست نہیں ہو گی۔ شاید وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ اسلام پھیلائیں' مسلمان معاشرے کی اصلاح کریں اور اس طرح ایک اسلامی سوسائٹی تخلیق کریں۔

مسلمان حکومتوں کی طرف آتے ہوئے اگر یہ کہا جائے کہ بھارت مسلمان بادشاہوں کے دور حکومت میں حقیقی معنوں میں "دارالاسلام" نہیں تھا تو سید احمد شہید کی تحریک "بھارت کو دار الاسلام کی شکل میں بحال کرنا" کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ اس بات سے کہ انہوں نے ہندو رہنماؤں کو باہم مل کر کام کرنے کے بارے میں لکھا تھا' یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا پہلا مقصد انگریزوں کو ملک سے نکالنا تھا۔ تاریخ کا فیصلہ یہ ہے کہ بلاشبہ اگرچہ ان کی یہ کوشش بہادرانہ تھی لیکن یہ ایک غلط حکمت عملی تھی۔ ممکن ہے کہ انہوں نے رائے بریلی سے بالاکوٹ تک کے اپنے لانگ مارچ میں آسانی پیدا کی ہو اور یہی برصغیر میں برطانوی حکومت کی راہ میں باقی رکاوٹ تھی۔ تاہم اس کے نتیجے میں ابوالکلام آزاد کی سیاسی سوچ میں واضح تبدیلی دیکھی گئی اور وہ ایک اتحاد اسلامی کے علمبردار کے بجائے ایک بھارتی قومیت پسند کے طور پر سامنے آئے۔

میں یہ نہیں سمجھتا کہ مسلمان قومیت پسندوں جن میں مولانا آزاد اور مولانا مدنی بھی شامل ہیں' نے کبھی یہ یقین رکھا ہو یا امید کی ہو کہ انگریزوں کے بعد مسلمان انڈیا پر حکومت کریں گے۔ میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کو واحد طاقت کے طور پر خیال نہیں کرتے تھے' بلکہ وہ مسلمانوں کی شناخت کو اور اس بات کو کہ ریاست کی اور ہندو معاشرے کی مذہب میں کوئی مداخلت نہ ہو اور جمہوری راج کے مطابق حکومت سازی میں ان کی منصفانہ شمولیت ہو' کو زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ میں یہ بھی یقین رکھتا ہوں کہ اقبال اور مولانا مدنی میں "قوم" کے مسئلے پر جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ نظریاتی کم اور لفظی زیادہ تھا۔ لفظ قوم کا مفہوم اردو میں لے کر اس کا ترجمہ Nation کیا جاتا تھا اور پھر قوم کو ریاست کے ساتھ گڈمڈ کر دیا جاتا' اس سے بہت بڑا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ قوم اور ریاست ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اور اسی بات سے مشکل پیش آئی ہے۔ اگر مسلمان "قرآنی اصطلاح" کے مطابق قوم ہیں تو پھر کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ بیسویں صدی کی دنیا چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹی ہوئی ہے جن کے مفادات مختلف ہیں جبکہ ہر ریاست اپنی جگہ اندرونی طور پر خود مختار ہے اور دوسری ریاستوں سے اس کی اپنی علیحدہ سیاسی حیثیت ہے۔ لیکن کئی ریاستوں میں ایک سے زائد مذاہب موجود ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ دنیا کو دیکھنا چاہتا ہے۔ مسلمانوں کا مسئلہ ہمیشہ سے یہ رہا تھا اور ہے کہ ان مختلف مذاہب میں اپنا علیحدہ تشخص کیسے قائم رکھا جائے اور خاص طور پر ان ریاستوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور جہاں انہیں سیاسی اور معاشی طور پر نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے۔ مسلمان قومیت پسند مسلمانوں کے

علیحدہ تشخص اور حقوق پر تو یقین رکھتے تھے لیکن وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان کے اس تشخص اور حقوق کی حفاظت اسی طریقے سے بہترین انداز میں کی جاسکتی ہے کہ الگ خطہ زمین کے بجائے مشترکہ نظام حکومت قائم کیا جائے۔ کیونکہ ایک لحاظ سے علیحدگی 'تمام مسلمانوں کو غیر مسلموں سے مکمل طور پر جدا نہیں کرتی اور کوئی بھی ریاست جس میں ایک سے زائد مذاہب کے لوگ آباد ہوں اس کو یہ مسئلہ درپیش ہو گا۔ مغربی پاکستان سے غیر مسلموں کو نکال دیا گیا لیکن آج بھی بنگلہ دیش میں اور کہیں کہیں پاکستان میں بھی انڈیا کی طرح یہ مسئلہ دکھائی دیتا ہے۔ للذا اگر پاکستانی مذہبی نہیں ہیں تو اس کے علیحدہ ہونے کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے؟

بلاشبہ نہ صرف ابوالکلام آزاد اور مولانا مدنی کے لئے بلکہ تمام بھارتی مسلمانوں کے لئے' جب پاکستان قائم ہو گیا ہے' قطع نظر اس سے کہ اس نے کچھ کیا ہو یا اس کے بنانے کا مقصد پورا ہوا یا نہ ہوا ہو' یہ ایک مسلمان ریاست ہے جس کے لئے وہ سوائے نیک خواہشات کے اور کچھ نہیں کر سکتے۔

مخلص

(سید شہاب الدین)

ایڈوکیٹ سپریم کورٹ 'انڈیا

ایڈیٹر ماہنامہ "مسلم انڈیا"

—— ❷ ——

۲۳/جنوری ۲۰۰۱ء

محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے حدیث کو دو غزوات پر اکٹھا بیان کیا ہے۔ پہلی بات یہ کہ حدیث دو غزوات کو نہیں (جوڑتی) بلکہ یہ الگ الگ دو غزوات میں حصہ لینے والے مجاہدین کی خوبیوں اور درجات کو بیان کرتی ہے۔ ممکن ہے غزوات ایک ہی وقت میں رونما نہ ہوں' تاہم حضرت عیسیٰؑ کی دوبارہ آمد آخری وقت میں ہو گی' لیکن اسے جنوبی ایشیا میں پیدا ہونے والی سیاسی تبدیلیوں کے ساتھ نہیں جوڑا جاسکتا۔

میری گزارش ہے کہ آپ اس معاملے میں اپنے خیالات پر نظر ثانی کریں۔ شکریہ

(سید شہاب الدین)

جواب

محترمی ومکرمی سید شہاب الدین صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

سب سے پہلے تو تہہ دل سے معذرت کہ آپ کے ۲۳/اکتوبر ۲۰۰۰ء اور ۲۳/جنوری ۲۰۰۱ء کے خطوط کا جواب بہت تاخیر سے دے رہا ہوں۔ اصل میں نومبر ۲۰۰۰ء میں مَیں اولاً عمرہ اور بعد ازاں رمضان مبارک کے پروگرام کے لئے امریکہ چلا گیا تھا ـــــ پھر واپسی پر غیر معمولی مصروفیت رہی۔ بہرحال امید ہے کہ آپ معذرت قبول فرمائیں گے۔

اس امر سے بہت خوشی ہوئی کہ آپ ہمارے جرائد دلچسپی کے ساتھ پڑھ رہے ہیں۔ اور مزید کرم یہ کہ اگر کہیں اختلاف محسوس ہو تو اس سے بھی مطلع فرما دیتے ہیں۔

تحریک پاکستان سے علماء کرام اور بعض دوسرے زعماءِ قوم کے اختلاف کے ضمن میں مَیں نے اب سے بہت پہلے ۶۸-۱۹۶۷ء میں بعض مضامین تحریر کئے تھے جو بعد میں "اسلام اور پاکستان" کے نام سے کتابی صورت میں بھی شائع ہوئے۔ میں اس کا ایک نسخہ آپ کو ارسال کر رہا ہوں۔ اس پر بھی آپ کے تبصرے کا انتظار رہے گا۔

اسلام ـــــ اور مسلم قوم یا مسلم حکومت ایک اعتبار سے تو یقیناً بالکل مختلف چیزیں ہیں۔ یعنی یہ کہ اسلام ایک نظریہ اور پیغام کا نام ہے' ـــــ جبکہ مسلم قوم کی اکثریت محض توارث و تناسل کی بنا پر ایک مشترک تشخص کی بنا پر وجود میں آتی ہے ـــــ تاہم ایک دوسرے نقطۂ نظر سے ان کو بالکل جدا کرنا یا سمجھنا بھی ممکن نہیں ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے اشعار میں دونوں باتیں کہی ہیں ـــــ چنانچہ ؎ "تو نہ مٹ جائے گا ایران کے مٹ جانے سے 'نشۂ مے کو تعلق نہیں پیمانے سے!" میں مسلم قوم کو پیمانہ اور اسلام کو مے سے تعبیر کیا ہے اور دونوں کو بالکل جدا حیثیتوں کا حامل قرار دیا ہے ـــــ لیکن ؎ "ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے' کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے!" میں اسلام کو جام اور مسلم قوم کو ساقی سے تعبیر کر کے دونوں کو لازم و ملزوم قرار دے دیا ہے ـــــ اور دونوں ہی باتیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں!

ہندوستان میں حقیقی اور مکمل اسلامی نظام تو شاید ہی کبھی نافذ یا رائج رہا ہو ـــــ تاہم مسلمانوں کی حکومت میں شعائرِ اسلامی کی حفاظت اور قانونِ شریعت کی کسی نہ کسی درجہ میں تنفیذ کی بنا پر اسے "دار الاسلام" کا درجہ یقیناً حاصل رہا ـــــ یہی وجہ ہے کہ انگریزوں کی آمد

کے بعد شاہ عبدالعزیزؒ نے فتویٰ دے دیا کہ اب ہندوستان دارالاسلام نہیں رہا ـــــ بلکہ دار الحرب بن گیا ہے ـــــ

حضرت سید احمد شہیدؒ کے پیش نظر اسی کیفیت کو تبدیل کر کے ہندوستان کو دوبارہ "دار الاسلام" بنانا تھا! ان کی سٹریٹجی بھی درست تھی کہ اس جہاد کا آغاز اسی علاقے سے ہونا چاہئے جس کا HINTER LAND مسلمانوں کے زیر نگیں تھا ـــ ان سے اصل غلطی دوسری سرزد ہوئی جس کا ذکر میں نے اپنی تقریر میں کیا ہے۔

مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے ضمن میں میری درخواست ہے کہ آپ علامہ اقبال کے PHENOMENON کو ضرور پیش نظر رکھیں۔ ان سے قبل مسلم لیگ مسلمانوں کے حقوق کے لئے ایک خالص دفاعی جنگ لڑ رہی تھی لیکن علامہ اقبال نے اپنے دسمبر ۱۹۳۰ء کے خطبہ الٰہ آباد کے ذریعے اس میں ایک "احیائی" جذبہ شامل کر دیا۔ جس نے دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانانِ ہند کی IMAGINATION کو CAPTURE کر لیا' جسے ISLAMIC ROMANTICISM سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے ـــــ چنانچہ یہ رومانوی تصور اسلامیانِ ہند کے اعصاب پر چھا گیا اور مسلم لیگ کامیاب ہو گئی ـــــ!

میں نے آپ کے خط کا جواب لکھنے سے قبل اپنی یکم ستمبر ۲۰۰۰ء کی تقریر کا دوبارہ مطالعہ کیا ہے ـــــ اور میرا موقف اب بھی وہی ہے کہ خالص "احیائی" نقطۂ نظر سے تحریک پاکستان بالکل درست تھی' اس لئے کہ متحدہ ہندوستان میں اسلام ایک "مذہب" کی حیثیت سے تو زندہ رہ سکتا تھا' لیکن اس کے ایک "دین" کی حیثیت سے سریر آرائے مملکت ہونے کا سرے سے کوئی امکان نہیں تھا ـــــ اور اگرچہ نصف صدی سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود ابھی تک یہاں اسلام اپنے نظامِ عدلِ اجتماعی اور اپنے کامل فوجداری اور دیوانی قانونی نظام کے ساتھ قائم نہیں ہو سکا لیکن اس میں اصل سبب پاکستان کی دینی قیادت ـــــ بالخصوص مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ایک ہمالیہ ایسی غلطی ہے ـــــ (میں نے ۱۹۵٦ء میں جماعت اسلامی کے ایک رکن کی حیثیت سے مولانا کی اس غلطی پر تفصیل سے لکھا تھا' جو دس سال بعد ۱۹٦٦ء میں "تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ" نامی کتاب کی صورت میں شائع ہوا ـــــ اس کا بھی ایک نسخہ آپ کو بھجوا رہا ہوں ـــــ میری پوری بحث کا حاصل اور آخری نتیجہ یہ تھا کہ سید ابوالاعلیٰ سے بھی وہی غلطی سرزد ہوئی جو سید احمد شہیدؒ سے ہوئی تھی ـــــ یعنی "عجلت پسندی"!)

اس معاملے میں میری سوچ کا ایک پہلو یہ بھی ہے (جو اس تقریر میں زیر بحث نہیں آ سکتا تھا) کہ میرے نزدیک اسلام کا عالمی غلبہ مشیت ایزدی میں طے شدہ ہے ـــــ اور اس کے ضمن میں قیامِ پاکستان بھی ایک کڑی کی حیثیت رکھتا ہے ـــــ جو خالصتاً مشیتِ ایزدی بلکہ DIVINE INTERVENTION کے ذریعے ظہور میں آیا ـــــ میری مراد اس سے یہ ہے کہ اگر کیبنٹ مشن پلان کے ضمن میں پنڈت نہرو وہ بیان نہ دیتے جو انہوں نے دیا تو پاکستان کبھی قائم نہ ہو سکتا ـــــ اس لئے کہ کم از کم دس سال کے لئے تو قائداعظم محمد علی جناح ہی آزاد و خود مختار پاکستان کے مطالبے سے دستبردار ہو گئے تھے ـــــ رہا یہ معاملہ کہ بعد میں کیا ہوتا تو حقیقت وہی تھی جو نہرو نے اگل دی تھی! ـــــ بہرحال ابھی بحمد اللہ پاکستان قائم ہے ـــــ اور کوئی عجب نہیں' بلکہ امید واثق ہے' کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کی دینی قیادت کو صحیح رخ پر ڈال دے ـــــ اور یہاں واقعتاً اسلام ایک "دین" کی حیثیت سے قائم ہو کر ـــــ پورے عالم انسانیت کے لئے روشنی کا مینار بن جائے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ! ـــــ بہرحال! اس سلسلے میں بھی اپنی ایک کتاب "خطباتِ خلافت" ارسال کر رہا ہوں۔ اس کے بارے میں بھی آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔

اس سے خوشی ہوئی کہ آپ نے مولانا آزاد کے بارے میں تسلیم کیا ہے کہ ان کے ۱۹۲۰ء سے قبل اور اس کے بعد کے طرزِ عمل میں بہت بُعد ہے ـــــ مولانا کے عقیدت مند اسے تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

"غزوۂ ہند" کے ضمن میں میری رائے وہی ہے جو میں ظاہر کر چکا ہوں۔ اپنے خصوصی مقام و مرتبہ کے اعتبار سے تو غزوۂ قسطنطنیہ بھی بہت عظیم المرتبت تھا جس کے ضمن میں جدا حدیث موجود ہے کہ: "اول جیش یغزوا مدینۃ قیصر مغفورون لھم" یعنی "وہ پہلا لشکر جو شہر قیصر یعنی قسطنطنیہ پر فوج کشی کرے گا پورے کا پورا بخش دیا جائے گا!" لیکن حدیث زیر بحث میں دونوں غزووں کو جمع کرنے کا سبب اس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ وہ CONTEMPORARY ہوں ـــــ واللہ اعلم

فقط والسلام

(ڈاکٹر اسرار احمد' امیر تنظیم اسلامی)

(نوٹ : سید شہاب الدین صاحب کے دونوں خطوط انگریزی زبان میں ہیں' قارئین کی سہولت کے لئے ان کا اردو ترجمہ شائع کیا گیا ہے)

بقیہ : اسلام میں عورت کامقام

خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔"

مسلم (جس سے لفظ مسلمان بنا ہے اور ہمارے ہاں رائج ہے) کے معنی ہی اللہ اور اس کے رسولؐ کے آگے اپنے آزادانہ اختیار سے دستبرداری کے ہیں۔ امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کے فارسی ترجمے میں "اسلام" کا ترجمہ "گردن نہادن" کیا ہے۔ اب کسی شخص کا ایک طرف یہ اقرار کہ وہ مسلمان ہے، دوسری طرف اس کا یہ اصرار کہ مَرد و عورت کامل اور بلاقید مساوات کے حامل ہیں، باہم متناقض ہیں۔ کوئی ذی عقل انسان ان دو متضاد رویوں کو جمع کرنے کا تصور نہیں کر سکتا۔ مسلمان رہنا ہو تو لازماً اللہ اور رسولؐ کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہو گا۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ جس شخص کے لئے شریعتِ الٰہی کی پابندیاں قابل قبول نہیں ہیں تو وہ اسلام کے قلادے کو اپنی گردن سے اتارے اور پھر جس وادی میں چاہے بھٹکتا پھرے ـــــ دنیا کے چلن کی پیروی اور زمانے کا ساتھ دینے کا رویہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت ہرگز نہیں ہے، بلکہ یہ اپنے ہوائے نفس کی بندگی ہے۔ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے ـــــ مَردانگی یہ نہیں ہے کہ ع زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز! بلکہ اصل جواں مَردی تو یہ ہے کہ ع زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ ستیز! (جاری ہے)

ضرورتِ رشتہ

میری بیٹی تعلیم بی اے، عمر ۲۳ سال کے لئے انجینئر یا اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ دینی فیملی کو ترجیح دی جائے گی۔

رابطہ فون : 042 – 5303400